تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

۲۱ شعبان ۱۳۸۴ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹٦٤ء

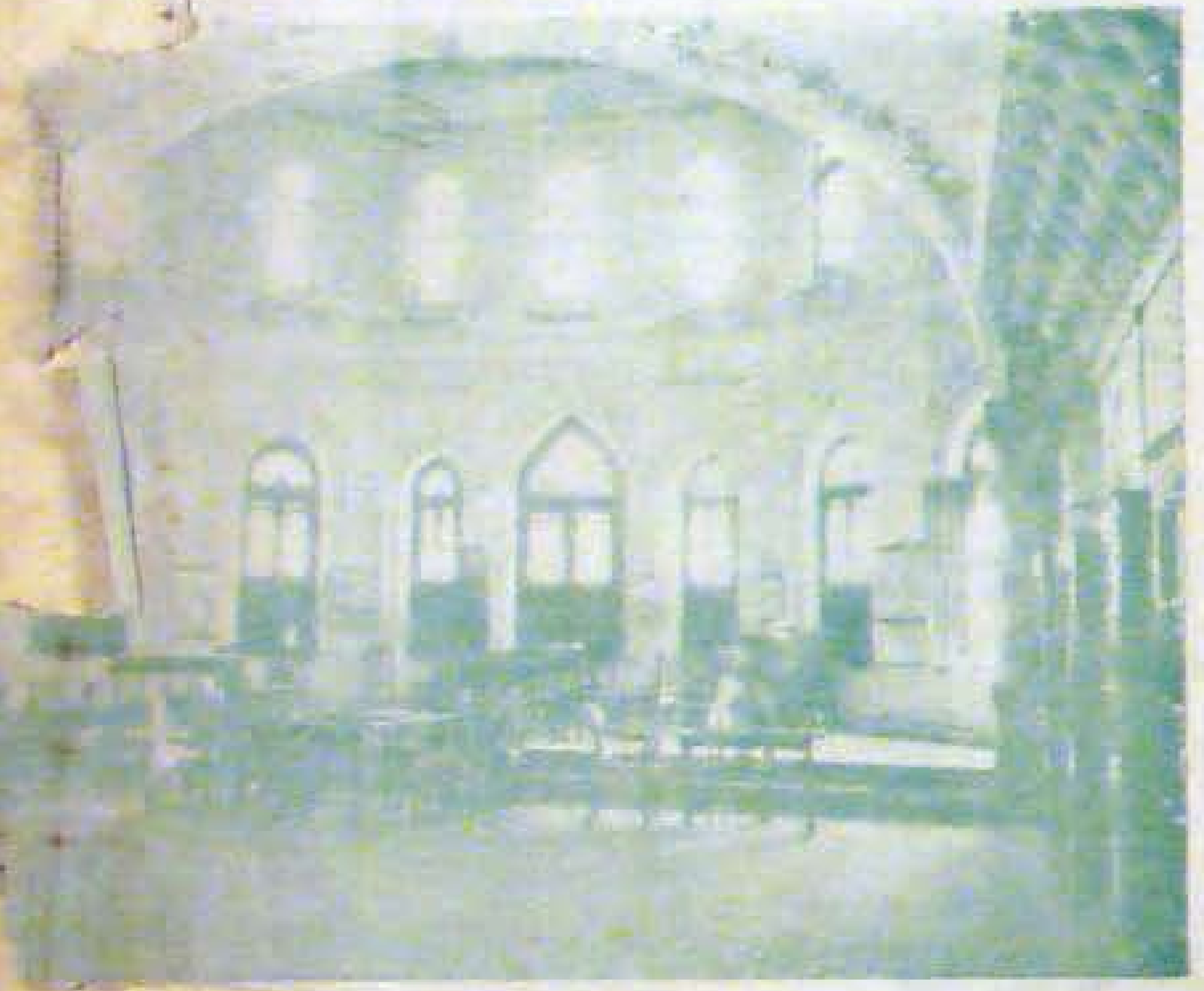

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

Phone No 22948
Regd. No L 1081
TAMEER-E-HAYAT
DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (عربی)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنگئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن میں نقش ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/، حصہ دوم ۷۵/، حصہ سوم ۱/۷۵

القراءة الراشدة (۳ حصے)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں سے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن، اسلام کی بلاغت کے ساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

ESTD. 1903

قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن، یوپی

Cover Printed at Nadwatul Ulamas Press LUCKNOW

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات لکھنؤ
سالانہ ۶/- روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے
جلد ۲
نمبر ۴
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء مطابق ۲۰ شعبان ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سوا دو لاکھ مقتول کس کے حساب میں ہیں!

محمد الحسنی

تازہ ترین اخباری اطلاعات کے مطابق یمن کی فوجی بغاوت میں جس کی سرپرستی اور رہنمائی مصر کے صدر کے ہاتھ میں ہے، اس وقت تک دو لاکھ یمنی اور بیس ہزار مصری عرب ہلاک ہو چکے ہیں۔

یمن کی اس خونچکاں داستان میں جو ستمبر ۱۹۶۲ء میں شروع ہوئی اور جس کی خون آشامی کا سلسلہ تاہنوز قائم ہے، سب سے اہم قابل توجہ حیرت انگیز بات صرف ایک ہے اور یہی بات ہے جس کا اس خاک و خون کے پورے افسانے میں کہیں ذکر نہیں۔

اور وہ یہ ہے کہ ان سوا دو لاکھ عرب مسلمانوں کا خون تو نہایت بے دردی سے محض پالیسی کے اختلافات پر بہایا گیا، لیکن اصل دشمن صیہونی یہودی اپنی ناجائز نوزائیدہ حکومت اسرائیل میں برابر دادِ عیش دے رہے ہیں، یہ عرب سورما اپنی تمام دھمکیوں اور غصے کے باوجود ان کو ذرا بھی ضرر نہ پہونچا سکے۔

سوال یہ ہے کہ ان سوا دو لاکھ عرب مسلمانوں کا خون کس کے سر ڈالا جائے گا، کیا عرب قومیت کے علمبردار اور محافظ اس خونِ ناحق سے اپنے کو بری ثابت کر سکتے ہیں۔

نہ بود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شاعر نے جس موقع کے لئے اور جس کے لئے بھی کہا ہو، لیکن یہ ٹھیک اسی "کجکلاہ" کے سر پر آ رہی ہے، جس نے مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کو "فرعونی تہذیب" پر فخر کرنا سکھایا، اور عربی قومیت کو مذہب اور خدا و رسول کا درجہ دے دیا ہے۔

اگر عرب اتحاد کے لئے یہی راستہ اختیار کیا گیا تو شاید اتحاد کا خواب پورا ہونے سے پہلے ہی ان ممالک کی آبادی کا بڑا حصہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہو،

لیکن آج قومیت کے پجاری عقل و دانش کی اس منزل پر پہونچ چکے ہیں کہ عرب اتحاد کے لئے وہ عرب اتحاد کو پارہ پارہ ہوتا دیکھ سکتے ہیں اور یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ عرب اتحاد کا یہ قصر لاکھوں انسانوں کے ملبہ پر تعمیر ہو، وہ اس کے لئے خون کے دریا بہا سکتے ہیں، پوری پوری آبادی کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتے ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو کسی زمانہ میں نازیوں نے کیا تھا۔

یہ دراصل قومیت کا نشہ ہے اور اس نشہ میں مشرق و مغرب اور عرب و عجم سب برابر ہیں، اسی نشہ سے بے خود ہو کر گذشتہ دو عالمی جنگیں لڑی گئیں، اسی نشہ نے مغرب و مشرق کی آویزش کو جنم دیا، اسی نے دنیا کو دو خطرناک اور مہیب بلاکوں میں تقسیم کیا، اسی نے چین کو ایشیا کے لئے ایک ابھرتا ہوا خطرہ بننے میں مدد دی اور یہی نشہ ہے جس نے عالمِ عربی کے نوجوانوں کو اس قدر از خود رفتہ کر دیا ہے کہ وہ اس کے خلاف ایک کلمہ سننے کے بھی روادار نہیں، وہ اپنی خیالی دنیا میں مگن اور اس قومی نشہ میں اتنا چور ہیں کہ اس راہ میں ان کو ہر گناہ ثواب، ہر عیب ہنر، ہر تخریب

تیر معلوم ہوتی ہے۔

ادب و دریات صحافت وریڈیو اور تحریر و تقریر ہر ذریعہ سے روزانہ ان کو یہی نشہ پلایا جاتا رہتا ہے اور ہر طرف ان کو ایک ہی صدا سنائی دیتی ہے، لسانی جغرافیائی اور نسلی بنیادوں پر عرب معاشرہ کی تشکیل کا نعرہ قدیم فرعونی تہذیب پر فخر اور اسلامی اقدار سے بے نیاز ہوکر اپنے سیاسی واقتصادی نظام زندگی کی تعمیر،

آج نہ صرف ساری دنیا کے مسلمان بلکہ دنیا کا انسانی ضمیر بھی یہ سوال کرسکتا ہے کہ فوجی قوت اور پروپیگنڈہ کے بل پر کسی ملک کے عوام کو بالجبر اپنا ہمنوا بنانا اور اس کے لئے دکھوں بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہانا کس منطق کس استدلال کس قانون اخلاق یا قانون سیاست کی رو سے جائز ہے، یمن میں مصری فوج جس پر متحدہ عرب جمہوریہ کا لاکھوں روپے صرف ہورہا ہے وہاں کس لئے مقیم ہے۔ اور وہ اہل ملک کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کی آزادی نہیں دیتی۔

ہمیں اندیشہ ہے اور افسوس یہ ہے کہ تمام حالات وقرائن اس اندیشہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ کہیں اس سب کشت وخون کے پیچھے انا ربکم الاعلیٰ اور الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی "کا جذبہ کار فرما ہو،

جس ملک میں جلسہ کے افتتاح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے بسم اللہ وعبد الناصر کہا گیا ہو کیا اس ملک کی قیادت کے لئے ہمارے یہ اندیشے بیجا اور جانبدارانہ کہے جا سکتے ہیں۔

ان سارے پہلوؤں سے قطع نظر اگر اس معاملہ کو صرف ایک نقطہ نظر سے دیکھئے تب بھی اس کی المناکی اور سنگینی میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

الجزائر کے دس لاکھ شہیدوں کیلئے ہمارے پاس تسلی کا پورا سامان ہے، انھوں نے ایک عظیم مقصد کے لئے سرفروشانہ اور دلیرانہ جان دی اور ملک کو غلامی کے پھندوں سے نجات دلائی وہ اللہ و رسول کے نام پر اور جہاد کے جذبہ سے سرشار ہوکر مردانہ وار آگے بڑھے اور جام شہادت نوش کیا، لیکن ان بدنصیبوں اور قابل حسرت انسانوں کو آخر کس صف میں رکھا جائے گا، شہداء کی صف میں یا مقتولین کی صف میں۔ یہ بیچارے جو دراصل عربی قومیت کا شکار ہوئے جنھوں نے آپس میں بھائی بھائی کا گلا کاٹا، جو کسی غیر ملکی سامراج سے نہیں اپنے دینی بھائی سے لڑے اور ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی، جن کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہیں بلکہ اپنے اپنے اقتدار اور اپنی اپنی حکومت کا مسئلہ تھا، ان کے لئے متحدہ عرب جمہوریہ کے ارباب حل وعقد اور جامعہ ازہر کے علماء ومشائخ کا کیا فتویٰ ہے؟ اور اگر قیامت کے روز ان سے پوچھا گیا بای ذنب قتلت (کس گناہ میں تجھے قتل کیا گیا) تو وہ اپنا کیا گناہ بتائیں گے، اور کس کو قاتل قرار دیں گے؟

عرب کے جاہلی شاعر کی پرواز تو بس اتنی تھی کہ

واحیاناً علی بکر اخینا

اذا مالم نجد الا اخانا

(کبھی کبھی ہم اپنے بھائی بکر پر حملہ آور ہوجاتے ہیں جب ہم کو اپنے بھائی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملتا) لیکن ہمارے اہل دانش قائدین ان جاہلی عربوں سے بھی بہت آگے نکل گئے، اس غریب کی تلوار تو اپنے بھائی پر صرف اس وقت اٹھتی تھی جب اسکو کسی اور جگہ جوہر دکھانے کا موقع نہ ملتا تھا، اگر ہمارے ان فوجی رہنماؤں کا حال بھی یہی ہوتا تو اس قدر افسوس وملامت کی بات نہ تھی، اگر وہ فلسطین کو یہودیوں کے ناپاک وجود سے پاک کراچکے ہوتے، اگر عمان، عدن اور اسکے اطراف غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہوچکے ہوتے، اگر مشرق وسطیٰ سے غیر ملکی اڈوں اور یہودی انجمنوں کا خاتمہ ہوچکا ہوتا، اگر ان ملکوں کے سب اہم اور پیچیدہ مسائل حل ہوچکے ہوتے تو یہ تاویل کی جاسکتی تھی کہ جنگ ان کی فطرت میں ہے اور وہ خاموش اور پرسکون زندگی گزارنے سے قاصر ہیں لیکن جہاد کی یہ کون سی نئی قسم ہے کہ یہودیوں کا تو بال بیکا نہ ہو، ان کی طرف ایک انگلی بھی نہ اٹھائی جائے بلکہ ان کے ہاتھوں سے کبھی کبھی مار بھی کھائی جائے (جس طرح سوئز کے معرکہ میں عریش کا تخلیہ کرکے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ موت کے حوالے کیا گیا) لیکن مسلمانوں کا پوری بیانجنی اور کوریا دلی کے ساتھ خون بہایا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اسی خون سے عرب اتحاد کے درخت کی آبیاری ہوگی،

خرد کا نام جنوں پڑگیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کیا کسی ملک وقار کے لئے دوسرے ملک کے لاکھوں باشندوں کا خون بہانا درست کہا جائے گا کیا کسی ملک کی عظمت انسانی لاشوں اور کھوپڑیوں پر قائم ہوسکتی ہے؟ بدقسمتی سے ہمارے بعض قائدین نوک شمشیر سے خیالات کی رو بدلنے کے درپے ہیں، وہ اخوت ومحبت کے ذریعہ نہیں بلکہ وحشت اور بربریت کے ذریعہ اپنے "عظیم" مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پروپیگنڈہ سے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خیر وشر اور حق وناحق میں تمیز کرنا مشکل ہوجائے، وہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا دھوئیں اور گرد وغبار سے بھر جائے اور وہ اس کی آڑ میں اپنے مقاصد کی تکمیل کرسکیں

یمن کا مسئلہ ایک ایسے خون ناحق کا مسئلہ ہے جس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس کی خاطر بہایا گیا، کس عظیم مقصد کے لئے وہ پانی کی طرح ارزاں ہوگیا، اس خون کا ذمہ دار کون ہے؟

یہ دو لاکھ شہید زبان حال سے اپنے خود غرض وجاہ پرست رہنماؤں سے شاکی ہیں، وہ اس بات کے شاکی ہیں کہ اگر ان کی قربانی ہی مقصود تھی تو یہ قربانی اللہ کے لئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے اور اس کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے کیوں نہیں لی گئی، یہودیوں سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن کون ہوسکتا ہے، خود قرآن مجید کی شہادت ہے؛

ان اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا

الیہود والذین اشرکوا،

(ایمان والوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا)

ان کی روح زبان حال سے گویا ہے کہ ان کے ساتھ سخت ناانصافی ہوئی، ان کے خون کی ناقدری کی گئی، اس کو بہت غلط مصرف میں استعمال کیا گیا اور اس کو پانی سے بھی زیادہ بے قیمت سمجھ لیا گیا ان کو اس کا افسوس نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں ان کی جانیں ضائع ہوئیں، افسوس اس کا ہے کہ بے مقصد ضائع ہوئیں۔

عالم اسلام کے ان قائدین کے لئے جو اسکو ایک نئے راستہ پر زبردستی لے جانے کے لئے کوشاں ہیں جو اس کو ڈھکیل ڈھکیل کر اس منزل کی طرف لے جارہے ہیں جس منزل پر ترکی کی قوم کو کمال اتاترک نے پہونچایا تھا، اس واقعہ میں بہت بڑا سبق ہے ان کو جاننا چاہیے کہ کمال اتاترک نے بھی ترکی کو لادینیت کے راستہ پر لے جانے کے لئے کوئی کسر

(بقیہ ص ۱۰ پر)

عورت کی امارت کا مسئلہ

٢

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

جماعت اسلامی کے بعض حضرات اس موقع پر ایک عجیب اعتراض فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو علماء مسئلہ میں جماعت اسلامی کے مخالف ہیں وہ صرف امورکم الی نساءکم کو تو دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کے ایک دوسرے فقرے امورکم شوریٰ بینکم کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ معترضین کا شاید منشا یہ ہے کہ اگر ایک شخص کوئی خلاف شریعت کام کررہا ہو تو دوسروں کو بھی اس کا حق ہوجاتا ہے کہ وہ بھی خلاف شریعت امور کا ارتکاب کریں اور علما کو اس پر نکیر کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اگر یہی اصول ہے تو واقعی اعتراض صحیح ہے لیکن ہمیں پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ آخر اس اصول کا ماخذ کیا ہے؟ یہ کس شرعی دلیل پر مبنی ہے؟ اور اگر دوسرا فریق یہ سوال کرے کہ حدیث میں امراؤکم خیارکم " کا جو فقرہ ہے کیا جماعت اسلامی نے اس انتخاب میں اس حکم پر عمل کیا ہے؟ یعنی کیا مس فاطمہ جناح واقعی "خیارکم" میں داخل ہیں جنھیں وہ امیر بنانے پر مصر ہیں؟ ان کے فساد عقیدہ کا تذکرہ سردست چھوڑیئے صرف بے پردگی کو لے لیجے کیا یہ بھی خیر اور بھلائی میں داخل ہے؟ اپنی تقریروں میں اسلام کے لفظ سے بھی احتراز آخر خیر کی کون سی قسم ہے؟

فقہاء کرام اور متکلمین نے بھی حدیثوں سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عورت کو منصب امارت عامہ پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ وکلام مثلاً ردالمحتار ومسامرہ وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے مسئلہ مشہور ہے اس لئے نقل عبارت کی حاجت نہیں۔

عورت کو منصب امامت سے محروم رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس منصب کے لئے بعض طبعی وفطری صفات ناگزیر ہیں عورت طبعی طور پر ان سے محروم ہوتی ہے۔ مثلاً عزم صمیم۔ بلندی حوصلہ۔ ہجوم مشکلات کے وقت ثابت قدم رہنا اور عقل وہوش کا قائم رکھنا۔ جذبات پر قابو رکھنا وغیرہ۔ اس منصب کی اہلیت سے عورت کی فطری محرومی ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے شریعت نے اسے اس کا نااہل قرار دیا ہے۔ اور اگر بالفرض لاکھوں میں ایک آدھ عورت ایسی بھی نکلے جس میں مندرجہ بالا صفات مردوں کی طرح موجود ہوں تو اس کا شمار نادر کالمعدوم میں ہوگا۔ قانون عام واکثر حالات کے لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔ شاذ ونادر کا اس میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

کمزور استدلال

اتنا تو مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو بھی تسلیم ہے کہ عورت کو سربراہ مملکت بنانا فی نفسہ ناجائز ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اس کے قائل ہیں کہ اس قانون سے استثناء بھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ "شدید ضرورت" اس کی داعی ہو۔

ان حضرات کا اصل موقف تو یہ ہے لیکن دوسری طرف یہ حضرات اس کے جواز کے دلائل بھی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ استثناء اور شدید ضرورت کے مسئلہ پر تو ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے یہاں ان دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جس کا یہ حضرات سہارا لیتے ہیں۔

حضرت بلقیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ

یہ ان حضرات کی سب سے قوی دلیل ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بہت کمزور ہے۔ بچند وجوہ۔

اولاً: کہیں سے ثابت نہیں کہ اسلام لانے کے بعد بھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے منصب ملوکیت پر انھیں برقرار رکھا۔

یہ کہنا کہ انکا معزول ہونا منقول نہیں ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ انکا منصب قائم رہا بہت کمزور سہارا ہے اس لئے کہ:

(الف) عدم نقل نقل عدم کو مستلزم نہیں ہوسکتا ہے کہ معزول ہوگئی ہوں مگر تاریخ نے اس واقعہ سے چشم پوشی کی صرف اتنا احتمال تو دلیل شرعی نہیں بن سکتا۔

(ب) قرینہ بتاتا ہے کہ وہ اس منصب پر برقرار نہیں رہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجیت میں آنے کے بعد ان کے حرم میں رہتی ہوں گی نہ کہ اپنے ملک میں۔

(ج) اگر عدم نقل کو ہم دلیل شرعی بھی تسلیم کرلیں تو یہ اتنی قوی دلیل نہیں جو مذکورہ بالا حدیث لن یفلح الخ کے مقابلے میں پیش کی جاسکے جو اس مسئلہ میں بالکل واضح اور ہے۔

ثانیاً: اگر یہ بھی ثابت ہوجائے اس شریعت میں عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز تھا تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوگا کہ ہماری شریعت میں ایسا کرنا جائز ہو جبکہ ہمارے یہاں اس کی ممانعت موجود ہے۔

ثالثاً: اگر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ وہ اسلام لانے کے بعد بھی ملکہ رہیں اور یہ ہمارے لئے حجت بھی ہے تو بھی "صدر جمہوریہ پاکستان" کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھیں۔ مستقل ملکہ نہیں تھیں۔ صدر جمہوریہ پاکستان کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ انشاءاللہ واضح ہوگا

حضرت حکیم الامت کا فتویٰ

"تعمیر حیات" میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ کے فتوے سے جماعت اسلامی کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا حضرت قدس سرہ کے فتوے کا حاصل یہ ہے کہ عورت مشیر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اس لئے جس مملکت میں صدر کی حیثیت محض مشیر کی ہو وہاں اسے صدر بنانے کی گنجائش ہے۔ مگر کیا صدر جمہوریہ پاکستان کی حیثیت محض مشیر کی ہوتی ہے؟ حق یہ ہے کہ مستفتی کو صورت حال کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ نے سوال کے مطابق جواب عنایت فرمایا ہے۔ مستفتی نے صدر پارلیمنٹ کو صدر جمہوریہ سمجھ کر سوال کیا ہے۔ جس کی حیثیت واقعی ایک مشیر کی ہوتی ہے۔ شاید اس وقت تک امریکن طرز کی صدارت کا رواج بھی نہ ہوا ہوگا ممکن ہے اس وجہ سے بھی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ اب ملاحظہ ہو کہ صدر جمہوریہ پاکستان کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

تنفیذی اختیارات ... ...

کا جہاں تک تعلق ہے وہ کلیتہً صدر جمہوریہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، بڑے سے بڑے افسر اور عہدیدار کا نصب وعزل تبادلہ سب اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ فوج پولیس، سول سروس، مالیات وغیرہ سب محکمے اسی کے تابع اور اسی کے احکام کے مطیع ومنقاد ہوتے ہیں۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں تنفیذی اختیارات ہوں ساری طاقت اسی میں مرکوز ہوجاتی ہے اور قانون ساز جماعت اس سے بیزار ہونے کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

قانون سازی بھی کلیتہً اس کے اختیار میں

نہیں ہوتی لیکن اس پر بھی اسے بڑی حد تک قابو حاصل ہوتا ہے۔ ہنگامی قانون یعنی آرڈیننس نافذ کرنے کا اسے کامل اختیار ہوتا ہے۔ کم از کم ایک دوبار پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کو بھی وہ رد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عملاً اس کی ایک پارٹی پارلیمنٹ میں بھی موجود ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے وہ قانون سازی پر بہت گہرے اور دوررس اثرات ڈال سکتا ہے۔

بعض صورتوں میں پارلیمنٹ کو برخاست کرکے زمام اختیار کلیتہً اپنے ہاتھ میں لے لینے کا اختیار بھی اسے حاصل ہے جیسا کہ سکندر مرزا نے کیا تھا۔

وزارت کا کام محض پالیسی بنانا ہے۔ قانون بنانا یا اس کا نفاذ کرنا اس کے دائرہ اختیار سے بالکل خارج ہے۔ قانون سازی کے بارے میں وزیر اعظم کی حیثیت بھی کسی معمولی رکن ایوان سے ممتاز و برتر نہیں ہوتی۔ اور وہ اس بارے میں ایوان کی اکثریت کا محتاج ہوتا ہے۔ تنفیذی اختیارات کے اعتبار سے اس کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک معمولی کانسٹبل کو بھی کسی کام کا حکم نہیں دے سکتا۔

ان حالات کی روشنی میں دیکھئے کہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ صدر جمہوریہ پاکستان کی پوزیشن محض ایک مشیر کی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو حضرت حکیم الامت رح کے فتوے کو اس پر منطبق کرنا آخر کس دلیل شرعی کی بنا پر جائز سمجھا جا سکتا ہے؟

اس فتوے کے بارے میں ایک چیز اور بھی قابل ذکر ہے اس میں حضرت رحمہ اللہ نے ...... دلیل میں ملکہ سبا کے واقعہ کو بھی پیش فرمایا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اپنی مشہور تفسیر بیان القرآن تفسیر سورۂ نمل میں خود تحریر فرمایا ہے:

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے۔ پس بلقیس کے قصے سے کوئی شبہ نہ کرے اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔"

جس کے معنی یہ ہیں کہ اس واقعہ کو حجت بنانے سے خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا ہے۔

ام المومنین کی قیادت سے استدلال

دوسری دلیل یہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے واقعے سے پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے جنگ جمل کے موقع پر صحابہ کرام کے بہت بڑے گروہ کی قیادت فرمائی تھی۔

گذارش ہے کہ اول تو یہاں بحث سیاسی قیادت کی نہیں ہے، سربراہ مملکت بنانے کی ہے۔ سیاسی لیڈر اور سربراہ مملکت کا فرق بالکل واضح ہے۔ اسے آپ کیوں نظر انداز فرما دیتے ہیں۔ لیڈر کی حیثیت ایک مشیر کی ہوتی ہے جو لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں محض رضاکارانہ طور پر کرتے ہیں وہ کسی کو طاقت کے ذریعہ سے اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتا۔ نہ حکم دے سکتا ہے۔ اس کی اطاعت شرعاً بھی فرض و واجب نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے سربراہ مملکت یا صدر جمہوریہ حاکم ہوتا ہے۔ طاقت کے ذریعہ سے اپنے احکام نافذ کر سکتا ہے۔ شرعاً بھی اس کے جائز احکام کی تعمیل فرض ہوتی ہے۔ اب فرمائیے کہ دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے یا نہیں؟ کون کہتا ہے کہ عورت کو سیاسی لیڈر بنانا ممنوع ہے۔ شوق سے بنائیے۔ ہم جو ممنوع کہتے ہیں وہ اسے صدر مملکت یا "خلیفہ" و "امام" بنانے کو کہتے ہیں۔

ام المومنین کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی قائد یا لیڈر کی تھی، آپ ہی فرمائیے کہ کیا مسلمانوں نے انھیں بحیثیت خلیفہ منتخب کیا تھا؟ یا ان سے بیعت خلافت کی تھی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کے متوازی کوئی حکومت ان کی امارت میں قائم کی تھی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس واقعے سے استدلال کے کیا معنی ہیں؟ پھر کہاں مس فاطمہ جناح اور کہاں ام المومنین چہ نسبت خاک را با عالم پاک یہ قیاس بھی کس قدر افسوس ناک اور تعجب خیز ہے

یہ بھی دیکھئے کہ وہ حالت کیا تھی شہادت ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام اور دوسرے مخلص مسلمانوں پر ایک اضطرابی کیفیت طاری تھی، کوئی ایسا مرکز نہ تھا جو انھیں مجتمع کرتا۔ سبائیوں کی فتنہ انگیزیوں نے نئے نئے فتنوں سے انھیں دوچار کر دیا تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں اگر ماں نے اپنے بچوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور انھیں تسلی و تشفی دی انھیں تشتت سے بچا لیا تو کیا اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عورت کو صدر جمہوریہ یا خلیفۃ المسلمین بنانا جائز ہے؟ کیا ہنگامی حالت اور اطمینان کی حالت کے احکام کا یکساں ہونا ضروری ہے؟

یہی بات علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے۔ ان کی تحریر کو اپنے مدعی پر چسپاں کرنا ان پر اور ان کی تحریر دونوں پر سخت ظلم ہے۔ اگر کسی شہر پر دشمنان دین حملہ کریں اور مردوں کی تعداد مقابلہ کے لئے کافی نہ ہو تو شرعاً عورتوں پر بھی جنگ کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اسے بغیر اجازت شوہر کے پردہ سے باہر نکلنا، مردوں سے اختلاط بھی جائز ہو جاتا ہے لیکن کیا امن کی حالت میں بھی اس کے لئے یہ امور جائز ہیں؟ یا معمولی حالات میں مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کی فوج بنا کر محاذ جنگ پر بھیجی جا سکتی ہے؟

عہدہ قضا کے بارے میں اختلاف کو دلیل بنانا بھی کچھ نہیں ہے "قاضی" اور صدر مملکت کی حیثیتوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ اول کی ولایت خاصہ ہوتی ہے۔ دوسرے کی ولایت عامہ اول کے احکام افراد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسرے کے پوری قوم پر۔ قاضی کے عہدے پر تو غیر مسلم کو بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے فیصلے مسلمانوں کے خلاف نافذ نہ ہوں گے لیکن کیا کسی اسلامی مملکت کا امیر یا صدر جمہوریہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی غیر مسلم کو بنایا جا سکتا ہے؟

یہ امر کہ ہم مس صاحبہ کو صدر بنانے کے بعد صدر کے اختیارات میں اس قدر کمی کر دیں گے کہ ان کی حیثیت محض مشیر کی رہ جائے گی، کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس وقت تو آپ موجودہ دستور کے مطابق پورے اختیارات کے ساتھ ان کا انتخاب کرکے ایک ناجائز بات کا ارتکاب کر ہی لیں گے۔ آئندہ کی تبدیلی کا محض ارادہ اسے کیسے جائز بنا سکتا ہے۔ خصوصاً جب وہ کلیتہً آپ کے اختیار میں بھی نہ ہو۔ کیا اس کا امکان مفقود ہو گیا ہے کہ دستور میں جو تبدیلی آپ کرنا چاہیں اس میں پارلیمنٹ یا دستور ساز اسمبلی کی اکثریت آپ کی ہمنوا نہ ہو؟ میں عرض کرتا ہوں کہ اس کا امکان قوی تر ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس معاملہ میں دینی بصیرت کے ساتھ آپ کی سیاسی بصیرت بھی آپ کو دھوکہ دے رہی ہے۔

عذر گناہ

عرض کیا جا چکا ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کا اصل موقف اس وقت یہ ہے کہ وہ عورت کی امارت کو ناجائز تو تسلیم کرتی ہے مگر اس قانون سے استثنار کی قائل ہے جس کی توجیہہ شدید ضرورت سے کرتی ہے اور "الضرورات تبیح المحذورات" کا سہارا لیتی ہے۔

ہمیں فقہ کا یہ اصول تسلیم لیکن یہ تو فرمایا جائے کہ آخر اس ضرورت کا کوئی معیار بھی ہے یا یہ صرف کسی جماعت کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ اس اصول کی آڑ لے کر جس ناجائز کو چاہے جائز بنا دے؟ اگر معیار ہے تو کیا ہے؟ کیا محض پارلیمانی نظام کے قیام کی امید ایسی ضرورت ہے جو اس ناجائز کو جائز بنانے کے لئے کافی ہے؟ کیا پارلیمانی نظام کا قیام بھی کوئی دینی مقصد ہے؟ (بقیہ ص ۱۲ پر)

تحریک
صیہونیت کا ایک پہلو

وحید الدین خاں

شرق اوسط کے معاملات پر امریکہ کے ممتاز ماہر جارج لنزوسکی (GEORGE LENCZOWSKI) نے سوا سات سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے THE MIDDLE EAST IN WORLD AFFAIRS اس کتاب میں شرق اوسط کے گیارہ ملکوں کے حالات الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔ ذیل کی سطریں اسی کتاب کے باب "اسرائیل" سے ماخوذ ہیں۔

ارض موعود (PROMISED LAND) کی طرف واپسی کی امید یہودیوں میں کبھی ختم نہیں ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی میں یہودیوں کی ایک تعداد فلسطین آئی اور یروشلم میں آباد ہوئی انہیں اکثر نام نہاد خیراتی یہودی (HALUKAH) تھے جن کو بیرونی یہودی [illegible] سے مدد ملتی تھی۔ جبل صیہون (ZION؎) کو واپسی کا یہ جذبہ خاص طور پر روسی اور مشرقی یورپ کے یہودیوں میں بہت زیادہ تھا جو اپنے علاقوں میں سخت مشکلات کا شکار تھے اور ترک وطن پر مجبور ہو رہے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں اوڈیسا میں پہلی تنظیم قائم ہوئی جس کا مقصد فلسطین میں یہودی آبادی قائم کرنا تھا۔ ایک یہودی نوآبادیاتی انجمن (I.C.A) قائم ہوئی جس کا مقصد فلسطین میں زمین خریدنا اور اس کو وہاں کے نوآباد یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنا تھا۔ مغربی ممالک کے بڑے بڑے یہودی سرمایہ داروں کا سرمایہ اسے حاصل ہونے لگا۔

اس کے بعد ۱۸۹۶ء میں ایک یہودی اخبار نویس (THEODOR HERZL) نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا انگریزی ترجمہ یہودی اسٹیٹ (THE JEWISH STATE) کے نام سے شائع ہوا اس کتاب نے صیہونی تحریک کو سیاسی موڑ عطا کیا۔ ۱۸۹۷ء میں اسی شخص نے ایک ہفتہ وار اخبار (DIE WELT) جاری کیا جو بالآخر صیہونی تحریک کا سرکاری ترجمان بن گیا۔ اسی سال بیسل (سوئٹزرلینڈ) میں یہودیوں کی ایک کانگرس ہوئی جس میں یہودیوں کے لئے فلسطین میں ایک وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ اور عالمی صیہونی تنظیم:

WORLD ZIONIST ORGANIZATION

قائم ہوئی اور ہرزل اس کا پہلا صدر منتخب ہوا۔

۱۹۰۳ء میں روس میں یہودیوں کے منظم قتل عام نے اس مسئلہ کو اور زیادہ سنگین بنا دیا۔ ہرزل نے برطانوی حکومت سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ برطانوی حکومت نے یہ پیشکش کی کہ یوگنڈا میں وہ روسی یہودیوں کو آباد کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ مگر ۱۹۰۴ء کی ساتویں عالمی یہودی کانگرس میں روسی یہودیوں کی جانب سے اس پیش کش کو سختی سے رد کر دیا گیا۔ کانگرس نے فلسطین کے کسی بدل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۰۴ء میں ہرزل مر گیا۔ مگر یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ قومی یہودی فنڈ سے اس کو پورا تعاون حاصل ہوتا رہا اور جلد ہی وہ پوری مغربی دنیا میں پھیل گئی۔

صیہونیت ایک قومی تحریک تھی اور ہے۔ اور خود یہودیوں کے اندر اسے اختلاف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ قدامت پرست یہودی اس تحریک کے سیاسی پہلو پر معترض تھے ان کا یقین تھا کہ صیہون کی طرف واپسی خدائی مداخلت کے ذریعہ وقوع میں آئے گی، نہ کہ سیاسی جد و جہد کے ذریعہ دوسرا گروہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ یہودیوں کا تھا جو صیہونی تحریک کو رجعت پسند بورژوائی تحریک سمجھتا تھا۔ یہودی علماء (RABBIS) نے صیہونی تحریک کی اس کے قوم پرستانہ کردار کی وجہ سے مخالفت کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہودیت کوئی قومیت نہیں بلکہ ایک مذہب ہے۔

برطانیہ عظمیٰ میں دو یہودی تنظیموں:

BOARD OF DEPUTIES OF BRITISH JEWS

اور

(ANGLO- JEWISH ASSOCIATION)

نے اسی بنیاد پر صیہونیت کی مخالفت کی۔ ان کی مخالفت پہلی جنگ عظیم کے دوران بہت بڑھ گئی جب یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر چیم ویزمن (Dr. CHAIM WEIZMANN) صیہونیت کے حق میں برطانیہ کا سرکاری بیان حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ۲۴ مئی ۱۹۱۷ء کو مانٹی فائر (MONTEFIORE) اور الکزینڈر (ALEKANDER) نے جو بالترتیب اینگلو جیوش ایسوسی ایشن اور بورڈ آف ڈپٹیز آف برٹش جیوز کے صدر تھے، صیہونی تحریک کے خلاف ایک کھلا بیان اخبار ٹائمز میں شائع کیا۔ اس میں ان لوگوں نے کہا کہ سیاسی صیہونیت، یہودیت کی مذہبی بنیاد کے خلاف ہے

"وہ ایک سیکولر یہودی قومیت کا تصور پیش کرتی ہے جو کہ محض نسلی خصوصیت کے چند مبہم اصولوں پر قائم ہے۔ یہ تحریک روحانی معنوں میں یہودیت نہیں ہو سکتی اور فلسطین میں اس کا قیام ان تمام معیاروں اور امیدوں کا انکار ہوگا جن کی بنا پر اس ملک میں یہودی زندگی کے احیاء نے اپنے آپ کو یہودی ہمدردی اور تعریف کا مستحق بنایا ہے۔ اس وجہ سے بورڈ آف ڈپٹیز اور اینگلو جیوش ایسوسی ایشن کی مشترکہ کمیٹی صیہونیت کی قومی تجاویز پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہے۔" (صفحہ ۲۴۷)

اسی طرح کا احتجاج امریکہ میں بھی امریکن جیوش کمیٹی کی طرف سے پہلی جنگ عظیم کے دوران بلند کیا گیا۔ اس کے ایک لیڈر جیف (SCHIFF) نے ایک موقع پر کہا:

"یہود کے قومی لیڈروں کی بڑی اکثریت یہودی مذہب میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں رکھتی" صفحہ ۲۴۸

امریکہ کے ایک اور نمایاں یہودی میر سلز برگر (MAYER SULZBERGER) نے اس بنیاد پر صیہونیت کی مخالفت کی کہ وہ جمہوریت کی نفی کرتی ہے:

"جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو کسی ملک میں بستے ہیں، وہ اپنے حکمرانوں کا انتخاب کریں گے صیہونی تحریک کے علمبرداروں کے ایک اجتماع کا فلسطین کے عوام کی حکومت پر انگلی اٹھانا، جمہوریت کے بالکل ابتدائی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کے عملی معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ فلسطین کی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔ اور وہاں کے باشندوں کو حکومت خود اختیاری کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ اور ان پر باہر کے کچھ ایسے لوگوں کی مرضی مسلط کر دی جائے جنھوں نے شاید فلسطین کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے" (ص ۲۵۸)

؎ صیہون (ZION) اصلاً یروشلم کے شمال مشرقی کنارے پر ایک پہاڑی کا نام تھا جہاں حضرت داؤد کی شاہی قیام گاہ واقع تھی اور اس کے بعد جہاں حضرت سلیمان نے عبادت گاہ تعمیر کی۔ یہودیوں کیلئے عبادت اور حکومت دونوں کا مرکز تھا۔ [illegible] کے بعد جب یہودی فلسطین سے بیدخل ہو کر دنیا میں منتشر ہو گئے تو صیہون ان کے لئے مقدس وطن کے ہم معنی ہو گیا جس سے مراد یروشلم اور پورا فلسطین تھا۔ صیہونیت (ZIONISM) وہ تحریک ہے جو یہودیوں میں اٹھارہ سو برس پرانے وطن کو واپس لینے کے لئے شروع ہوئی۔

ہمارا معاشرہ

بدگمانی ——— اور اُس کے خطرناک نتائج

سعید الرحمن الاعظمی

انسانی معاشرہ کے لیے جہاں اور بہت سی باتیں مضر ہیں وہیں بدگمانی یا سوءِ ظن کے نتائج بھی بہت سنگین اور خطرناک ہیں، یہ معاشرہ کا پیچیدہ مرض ہے جس کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں، جس ماحول میں یہ بیماری پھیل جائے وہ انتہائی بدنصیب اور زندگی کے لطف ومسرت سے محروم ماحول ہے، یہی وہ گھن ہے جو رفتہ رفتہ سوسائٹی کی بنیاد کو کھوکھلی کرکے رکھ دیتا ہے اور ہوا کا ایک خفیف جھونکا بھی اس کے وجود کو ختم کردینے کے لئے کافی ہوتا ہے، اجتماعی زندگی کا شیرازہ منتشر کرنے میں بدگمانی کا کردار ایک مسلّم حقیقت ہے، اسی کی بدولت کتنے ملے ہوئے دل متفرق اور کتنے متحد اجتماعی معاملات، انتشار اور شکست وریخت کے انجام سے دوچار ہوکر رہے۔

اگر ہم اپنی اجتماعی زندگی کا تجزیہ کریں تو بدگمانی کی کارفرمائیاں ہم کو قدم قدم پر نظر آئیں گی، دو بھائیوں کا اختلاف ہو یا دو جماعتوں کا، ہر اختلاف کی تہ میں بدگمانی کا کردار سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دیگا، شوہر کو بیوی سے یا بیوی کو شوہر سے بدگمانی کا انجام قتل یا کم از کم جدائی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی سے بدگمانی ہوگئی جو محض غلط فہمی پر مبنی تھی مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ بدگمانی اس کے دل میں اس قدر راسخ ہوگئی کہ شوہر نے اس قلق اور دردسری سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو جس پر کسی زمانے میں سب سے زیادہ اس کو اعتماد تھا، قتل کیا، اور نہ صرف یہ کہ بیوی کو قتل کرکے اس کو اطمینان ہوا بلکہ یکے بعد دیگرے اس نے اپنے ۸ بچوں کو قتل کرکے اس دردسری سے نجات حاصل کی، بعد میں یہ معلوم ہوا کہ جس بنا پر اس نے اتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا وہ محض غلط فہمی تھی حقیقت سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں تھا۔

تاریخ کے اوراق الٹئے تو آپ کو سیکڑوں ایسی مثالیں ملیں گی جو غلط فہمی اور بدگمانی کے باعث بڑی بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ بنیں، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دو قریبی اور بے حد تعلق رکھنے والے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے جس کا سبب محض کوئی بدگمانی تھی، یہ بھی دن رات دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل تعلق اور ایک خاندان کے افراد بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہوکر ایک دوسرے کے مخالف ہوجاتے ہیں۔ ابتداءً یہ مخالفت اندر چھپی ہوتی ہے لیکن نتیجۃً وہ ایک بھیانک شکل اختیار کرلیتی ہے کبھی قتل وخونریزی کی شکل میں، اور کبھی مقدمہ بازی یا ایک دوسرے کو ذلیل کرکے انتقام لینے کی صورت میں، بہرحال بدگمانی اپنا کام کسی نہ کسی طرح پورا کرکے رہتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، جھوٹ تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن سب سے زیادہ جھوٹی بات بلاشبہ گناہ کبیرہ سے خارج نہیں ہوسکتی، گویا بدگمانی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے تاکیدی کلمات ارشاد فرمائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے، آپ کوئی بات بغیر حکم الٰہی کے نہیں بیان فرماتے تھے۔ لہٰذا بدگمانی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں بہت سی خرابیاں مضمر ہیں، اور اس کے نتائج بیحد خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں، معاشرہ میں بدگمانی کا اثر ایک بہت بڑی تخریب کے مرادف ہے جس کا نتیجہ برابر ہماری نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

یا ایھا الذین آمنوا	اے اہل ایمان بہت گمان
اجتنبوا کثیرا من الظن	کرنے سے احتراز کرو، بلاشبہ
ان بعض الظن اثم	بعض گمان گناہ ہیں۔

(سورۂ حجرات آیت ۱۲)

اس آیت میں مفسرین نے ظن سے مراد سوءِ ظن بتایا ہے۔ بدگمانی سے بچنے کی تاکید ملاحظہ ہو اور اس کی شناعت کو مزید مؤکد کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا کہ بہت سے گمان ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کا باعث ہیں۔

آج اسلامی معاشرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسی جگہ مل سکے گی جہاں یہ مرض نہ موجود ہو اور بمشکل تمام کچھ ایسے افراد ہم کو مل سکیں گے جو بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتے ہوں، ورنہ عام طور سے ہمارا معاشرہ اس کی زد میں ہے۔ اس کے برعکس دوسرے غیر مسلم ماحول یا معاشرہ میں ہم کو یہ چیز نسبتہً بہت کم نظر آئے گی، بعض وہ ممالک جو ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہونچ رہے ہیں، ان کو اپنی مادی ریس کے سامنے اس کی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس بیماری کی گرفت سے آزاد ہیں، بلکہ وہ عالمی پیمانے پر اس میں پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب کبھی ہمارے دل میں کسی طرح کی بدگمانی پیدا ہو پہلے ہم اس کی تاویل کرنے کی کوشش کریں، لیکن اگر اس سے کام نہ چل سکے تو صاحب معاملہ سے رجوع کرکے اس گمان کو ظاہر کریں تاکہ اگر بات کسی حد تک صحیح بھی ہو تو وہیں سے وہ ختم ہوجائے، ہر ایسی صورت میں جس میں ہمارے سامنے بدگمانی کے مواقع موجود ہوں اطمینان اور سنجیدگی سے کام لینا بیحد مفید ہے، اور عداوت ونفرت کے جذبہ کی پرورش کرنے کے بجائے اس کو ظاہر کرکے اس سے نجات حاصل کرنا ظاہری وباطنی دونوں حیثیتوں سے فائدہ بخش ہے۔

ہماری کمزوریوں اور اخلاقی زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دل، ایک دوسرے کے لئے روشن نہیں ہیں جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہو۔

پندرہ روزہ **تعمیرِ حیات** لکھنؤ
میں اشتہار دینا اس بات کی ضمانت ہے کہ
آپ کی پبلسٹی صحیح طریقہ سے ہوگی۔

روزہ

اور اس کی غرض وغایت

حبیب الرحمن ندوی

اسلام حکمت ودانائی اور خیر وبرکت کا سرچشمہ ہے اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جس میں انسانی معاشرے کی اصلاح اور اس کے فلاح وبہبود کا خیال نہ رکھا گیا ہو، روزہ کیا ہے؟ کھانے پینے اور چند دیگر امور سے پورے دن رک جانا، لیکن اگر آپ اس کی تفصیل میں جائیں تو ماننا پڑے گا کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بہتری اور اصلاح کے لئے روزہ سے بہتر اس کی جگہ اور کوئی دوسری عبادت نہیں ہوسکتی۔

خدا پرستی اور نفس کشی کا جوہر یوں تو ہر عبادت سے پیدا ہوتا ہے لیکن روزہ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لیس فی الصیام ریاء" ایک ایسی عبادت ہے جو سرتاسر خدا پرستی اور خوف آخرت کے یقین پر عمل میں آتی ہے۔ ظاہر ہے نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ دوسری عبادتیں ایک مثبت پہلو رکھتی ہیں جس میں ایک انسان کو کچھ مخصوص فعل کرنے پڑتے ہیں، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی نوعیت سرتاسر منفی ہے اور یہ کچھ کاموں کے نہ کرنے سے پورا ہوتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جس کے دل میں خدا کے وجود کا اس کے "فعال لما یرید" ہونے کا پوری طرح یقین نہ ہو اور وہ روزہ رکھے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کسی شخص کو اپنے سامنے کھانے پینے اور ان حرکات سے منع کرسکتے ہیں جو روزہ کو ختم کردینے والی ہیں لیکن تنہائی میں جبکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہے گا۔ آخر کیا چیز اسے کھانے پینے اور اپنے دوسرے نفسانی اور جسمانی تقاضوں کے پورا کرنے سے روک سکتی ہے جبکہ اس کے پیچھے نہ کوئی پولیس ہے، نہ سی آئی ڈی، مادہ پرست جو سرے سے ایمان ہی کا قائل نہیں اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن جس کے دل میں ایمان کی ذرا بھی رمق باقی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے دل میں خدا اور آخرت کا پوری طرح یقین نہ ہو وہ چاہے کسی مجبوری اور جذبۂ ریاکاری سے مجبور ہوکر اور دوسری عبادتیں پوری کرے لیکن روزہ جس میں نہ ریاکاری کی گنجائش ہے اور نہ کسی مجبوری کا سوال آخر وہ کس طرح رکھ سکتا ہے؟

مگر جب ایک شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق روزہ بھی رکھتا ہے تو آگے کوئی طاقت خدا کے دیگر احکام کی بجا آوری سے بھی نہیں روک سکتی، ماں باپ، بھائی بہن، یہاں تک کہ حاکم ومحکوم کی اطاعت بھی وہ اسی حد تک کرسکتا ہے جتنی کہ خدا نے اسے حکم دیا ہے، شاید اسی مفہوم کو قرآن کریم نے لفظ "تقویٰ" سے تعبیر کیا ہے۔ تقویٰ یوں تو بولنے میں ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اگر آپ اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ ایک بحر بیکراں کی طرح وسیع اور بامعنی بھی ہے۔

افسوس آج کل اس لفظ کا مفہوم بہت محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ ایک خاص وضع کی شکل بنالینے اور چند مخصوص اور ظاہری برائیوں سے رک جانے کو عام طور پر "تقویٰ" سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی زندگی کے تمام مسائل میں خدا کی طرف رجوع نہ کرے، اسلام ایک انسان میں جس نوعیت کا کیرکٹر پیدا کرنا چاہتا ہے اگر آپ غور کریں تو لفظ "تقویٰ" میں اس کی مکمل تصویر موجود ہے۔

مختصر یہ کہ کوئی شخص اگر صرف دن بھر کھانے پینے سے رکا رہا اور اس نے اپنے اندر "تقویٰ" کی روح نہ پیدا کی یعنی روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے اور دوسری ان تمام حرکات سے باز نہ رہا جو غیر اسلامی ہیں تو بقول داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حصے میں سوائے بھوک پیاس کے اور کچھ نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ ایک ڈھال ہے، جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے، شور وہنگامہ نہ کرے۔ اگر کوئی اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو روزہ دار کو یاد کرنا چاہیے کہ "میں تو روزہ سے ہوں"۔

ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ دار کے تمام اعضا بھی روزہ رکھتے ہیں، زبان کذب وافتراء سے، آنکھ غیر کی چیز کی طرف حریصانہ اٹھنے سے، کان خلاف شرع بات سننے سے، ہاتھ غیر کی چیز پر ناجائز قبضہ کرنے سے اور پاؤں بری راہ چلنے سے "سوچو اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کے مطابق پوری دنیا ایک ماہ کا روزہ رکھے تو وہ امن وراحت، عدل وانصاف اور انسانیت واخلاق کا گہوارہ ہوگی یا ظلم وناانصافی اور قتل وخونریزی کی آماجگاہ۔

روزہ کبھی نہ کبھی شکل میں کس مذہب میں نہیں ہے لیکن اسلام نے اس میں جو معنویت اور انسانی معاشرے کی فلاح وبہبود کا پہلو نکالا ہے۔ اس کی نظیر اور مذاہب پیش کرنے سے عاجز ہیں، انسان کی انفرادی زندگی کے لئے روزہ کو اسلام نے جہاں ایمان وایقان کی ایک کسوٹی بنایا ہے۔ وہیں ایک خاص مہینہ اور ایک خاص وقت کی قید لگا کر اس نے اسے ایک اجتماعی شکل بھی دے دیا تاکہ جس صالح اور پاکیزہ نظام زندگی کو اسلام بروئے کار لانا چاہتا ہے اس کے لئے نہ صرف افراد بلکہ جماعتیں بھی تیار ہوں، روزہ ہی نہیں اسلام کے دیگر عبادات واحکامات کا بھی یہی حال ہے۔ اگر آپ غور کریں تو ان میں بھی انسانی معاشرے کی اصلاح کا پہلو ہر طرح سے مکمل طور پر جلوہ گر نظر آئے گا۔

بقیہ اداریہ

باقی نہ چھوڑی تھی، لیکن ترکی کی نئی نسل آج اس کو اور اس کے ساتھیوں کو لعنت اللہ بد دعا کے ساتھ یاد کرتی ہے، وہ ترکی کی اس قوم کو جہاں اسلام لبد میں پہونچا تھا، اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا اور ایمان کا شعلہ ذرا سی تحریک سے بار بار بھڑکتا رہا۔

کیا عالم عربی کے قائد ورہنما یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس قوم کا رجحان اور جذبات وخیالات ہمیشہ کے لئے بدل کر رکھ دیں گے اور اس کے دل سے اسلام کی محبت، خدا اور رسول کے لئے قربانی کا جذبہ اور جہاد کا شوق ہمیشہ کے لئے نکال دیں گے۔

یہ درحقیقت ایک طویل عرصہ تک قوم کی صلاحیتوں کو ضائع کرنے، بیس کی طرح اس کے خون کو ارزاں کرنے اور باہمی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسانی زندگی کا چراغ انسانی زندگی کے چراغ سے روشن ہوا ہے

انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے محض معلومات کافی نہیں ہیں۔ خواہ کوئی کتنا بڑا عالم ہو اور کتنا ہی بڑا محقق ہو، بغیر کسی کامل یا کامل تر انسان کی صحبت کے اس کی زندگی کی ہرگز ہرگز تکمیل نہیں ہو سکتی!

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کے الوداعی جلسہ میں جو ۲ دسمبر کو دارالعلوم کے جالیہ ہال میں منعقد ہوا، مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے جو خطاب فرمایا اس کو دارالعلوم کے طالب علم عبدالعلیم بستوی نے قلم بند کیا تھا۔ وہ یہاں قارئین کے فائدہ کے لئے پیش ہے

اما بعد! عزیز طلبا!

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کوئی قیمتی سے قیمتی بات اور مخلصانہ سے مخلصانہ مشورہ ہو سکتا ہے تو اس کے مستحق آپ ہیں۔ آپ کا یہاں آنا خواہ آپ کی رضا اور آپ کے شعور سے نہ ہو، لیکن یہاں آپ کا طویل قیام، ہماری طرف انتساب اور ہمارے دارالعلوم کی طرف انتساب یہ تمام امور اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ہم اپنے سینے میں اس عمر میں جو بہتر سے بہتر چیز رکھتے ہوں وہ پیش کریں۔ ہمارے اوپر شرعاً و اخلاقاً یہ ذمہ داری ہے اور ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کے سامنے بہتر سے بہتر مشورہ پیش کریں۔ کئی سال سے اس کے مواقع آتے رہے اور آپ سے کچھ کہنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ میں دو تین باتوں پر خاص زور دیتا رہا ہوں۔ میں آج آپ سے صرف ایک بات کہوں گا۔ بقیہ چیزوں کو قصداً بیان نہیں کرتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب باتیں بیکار ہیں۔ نہیں۔ وہ سب انتہائی مفید اور کارآمد ہیں لیکن یہ وقت اس کے لئے کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے قوانین ہیں جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلے آرہے ہیں اور ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہزاروں برس سے اٹھاتے رہے ہیں۔ زمین سے فائدہ اٹھانے کا اور زراعت کا ایک قانون ہے۔ اس سے انسان خواہ وہ دینی معاملے میں نبی کے درجے کا ہو یا دنیاوی امور میں بڑے سے بڑا صاحب تدبیر اور بڑے سے بڑا صاحب شمشیر بادشاہ ہو کوئی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ وہ قانون ہے کہ پہلے زمین کو جوتئے، پھر اس میں بیج ڈالئے۔ محنت کیجئے۔ آسمان سے بارش ہو، پھر کھیتی آگے بڑھے تب جا کر کاٹنے کی نوبت آئے گی۔

درختوں کے نشوونما اور پھلنے پھولنے کا ایک قانون ہے قلم لگانا ہی کو لیجئے۔ جب تک کہ ایک کو کاٹ کر دوسرے میں نہ لگایئے جس کو عربی میں تلقیح یا انتقال کہتے ہیں۔ پیداوار تحمیل طور پر نہیں ہوگی۔ چنانچہ دنیا کی اعلیٰ ترین ہستی جس کا اللہ کے نزدیک سب سے اونچا درجہ ہے جس کے

لئے کائنات کا دھارا بدل دیا گیا۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ اس نے بھی دیکھا تو کہا ایسا کیوں کرتے ہو، لوگوں نے اس تدبیر کو چھوڑ دیا تو پھل خراب آئے۔ چنانچہ کائنات کی اس سب سے اشرف زبان نے بھی کہہ دیا:

انتم اعلم بامور دنیاکم

اسی طرح دنیا کے بڑے دوسرے کا قانون ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ لیکن میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ قانون یہ ہے کہ انسانی زندگی کی تکمیل انسانی زندگی سے ہوتی ہے، فلکیات طبعیات، عمرانیات اور طبقات الارض غرضیکہ دنیا کے تمام علوم و فنون کے کچھ اصول اور قوانین ہیں سب نے ان کا احترام کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ اسی طرح اللہ کا قانون ہے کہ انسانی زندگی کا چراغ انسانی زندگی کے چراغ سے روشن ہوا ہے۔ اور ہمیشہ ہوتا رہے گا نہ اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ انسان ہی انسان کے لئے سب سے بہترین نمونہ ہے جس میں وہ اپنے ہر ہر عمل کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنے ہر ہر نقص کو جانچ سکتا ہے اور پھر اس کو پورا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

دنیا میں رسول اور نبی سے بڑھ کر نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ لیکن جب سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا بار ڈالا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کا واسطہ بنایا۔ آپ کے اندر رشد و ہدایت کا شعلہ موجود تھا جو ہر وقت بھڑکنے کو تیار تھا۔ آپ کے اندر اس کی تمام صلاحیت اور استعداد تھی اور کسی استاذ کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اپنے اسی قانون کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا وہ آئے، آپ سے پڑھنے کو کہا، آپ نے عذر کیا، اس کی بنا پر انھوں نے سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو پھر آپ نے معذرت کی پھر سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو، پھر آپ نے معذرت کی، پھر سینے سے لگایا پھر کہا پڑھو تب آپ نے پڑھنا شروع کیا۔

دنیا کے تمام ماہرین نے اس کو سمجھ لیا ہے کہ انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے محض معلومات کافی نہیں ہیں معلومات

اور ایجادات و اکتشافات کی جو فراوانی اس وقت ہے وہ تاریخ کے کسی دور میں نظر نہیں آتی۔ لیکن تاریخ یہ بھی بتا رہی ہے کہ اخلاقی پستی جو اس وقت ہے وہ کبھی نہیں تھی۔ اور یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ یورپ جو ایجادات و اکتشافات کا سرچشمہ ہے، جہاں معلومات کی سب سے زیادہ فراوانی ہے وہیں اخلاقی پستی بھی سب سے زیادہ ہے اگر علوم و فنون کے لحاظ سے دنیا میں یورپ سب سے بڑھا ہوا ہے تو اخلاق کے لحاظ سے دنیا کا سب سے تاریک ترین خطہ بھی وہی ہے، انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے کچھ عقائد چاہئیں، کچھ اصول و قوانین چاہئیں اور کچھ مسلمات بھی ہونے چاہئیں۔ اور پھر ان اصول و قوانین اور مسلمات پر عمل کرنے کے لئے قوی محرکات کی ضرورت ہے۔ فطری دواعی اور جذبات کی ضرورت ہے۔ محبت اور جذبۂ ایثار کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہئے۔ کچھ ہونے اور حاصل کرنے پر آمادگی کا اظہار ہونا چاہئے قربانی کا جذبہ چاہئے۔ اپنے اندر تواضع اور بے نفسی چاہئے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ ایک دوسرے سے تعاون ہونا چاہئے۔ اپنے مقصد میں فنائیت اور خود فراموشی کا جذبہ چاہئے۔ یہ سب چیزیں آپ کو صرف کتابوں سے نہیں مل سکتی ہیں اگر صرف کتابوں اور علمی تحقیقوں سے حاصل ہو جاتیں تو آج یورپ کے مستشرقین ہی دنیا کے سب سے بڑے محدث اور مفسر نظر آتے۔ آج غزالی اور ابن تیمیہ نہ ہوتے بلکہ نطشے اور رینان ہوتے۔ یہ سب چیزیں اگر مل سکتی ہیں تو صرف ایک جگہ سے اور وہ ہے انسان کا سینہ۔ اسی سے یہ تمام چیزیں اخذ کی جا سکتی ہیں اور اسی سے انسان، انسان بن سکتا ہے۔

آپ تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کر لیجئے کسی ادارے یا قوم کی تاریخ کو دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ آج جو کچھ نظر آرہا ہے یہ سب انسان ہی کی کارگیری ہے دنیا میں جتنے انقلابات آئے جتنی تحریکیں اٹھیں۔ یہ سب انسان ہی کے ذریعے سے ہوا۔ یہ جذبات و کیفیات صرف انسان سے انسان کی طرف منتقل ہو سکتی ہیں۔ خدا کے صحیفوں کو دیکھ لیجئے۔ اللہ کے عارف بندوں کی سوانح پڑھ لیجئے، اور پھر تاریخی شہادتوں کا مطالعہ کیجئے، آپ دیکھئے گا کہ جب بھی انسان انسان بنتا ہے وہ ہمیشہ انسان ہی سے بنتا ہے، جب تک اس پر باہر سے انسانی جذبات و کیفیات کا اضافہ نہ ہوگا، یہ سب کچھ نہ ہوگا،

انسان کے اندر کانوں کے پتھروں کی طرح ہزاروں سال سے بہت سے جواہرات پوشیدہ ہیں۔ ہزاروں چٹانوں کے نیچے کچھ پتھر مدفون ہیں لیکن وہ انسان کے کام کے نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ ان پر سورج کی کرنیں پڑنی چاہئے۔ جب تک یہ کرنیں ان کو جگمگا نہ دیں ان کی کوئی قیمت نہیں، تاریخ میں آپ دیکھئے گا کہ اگر علم و ادب، فلسفہ و فکر کے ذریعے کوئی انسان بن سکتا تو آج دنیا کے یہ بڑے بڑے مفکرین فلاسفر اور متکلمین الحاد کی وادیوں میں نہ بھٹکتے۔ وہ دنیا کے عظیم ترین انسان ہوتے۔

آپ ملا نظام الدین کو دیکھ لیجئے۔ آج ان کا درس نظامیہ عالم اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے ان پر جب ملا عبدالرزاق بانسوی کی کرنیں پڑیں تو وہی ملا نظام الدین، ملا نظام الدین بن گئے اور آج دنیا میں ان کی شہرت جاودانی ہو گئی۔ شاہ اسماعیل شہید اور شاہ عبدالحئی سے بڑا عالم کون تھا، ان کے اندر علم و تحقیق کے خزانے پوشیدہ تھے لیکن انھیں بھی ضرورت محسوس ہوئی تو سید احمد شہید کا دامن پکڑا جو علم و ادب میں ان کے ہم پلہ نہ تھے۔ اور پھر انہی کی صحبت سے وہ بن گئے۔

انسان، انسان کی صحبت سے بنتا ہے، اور اسی صحبت کا۔ یہی ایک آئینہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے دنیا کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انسان کی ہم نشینی سے اخلاق رذیلہ کا ذہول ہوتا ہے اور ایک عزم پیدا ہوتا ہے۔ آپ سے نماز میں سستی ہوتی ہے لیکن آپ ایک ایسے آدمی کے ساتھ رہیں جو کڑاکے کی سردی میں تہجد کی نفلیں نہیں چھوڑتا۔ وہ برابر اسی سردی میں وضو کرتا ہے، نماز عشاء و فجر با جماعت ادا کرتا ہے، اس کے علاوہ نفلوں اور سنتوں میں ہر وقت مشغول رہتا ہے، تو آپ سے کیسے ہوگا کہ آپ دوپہر کے وقت ظہر کی نماز بھی نہ پڑھ سکیں۔ دنیا کے تمام ریاضی دانوں کا اتفاق ہے اور ریاضی کی بنیاد اسی پر ہے کہ دس پانچ سے زیادہ ہوتا ہے اور بیس دس سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو اس سے ماوراء ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کس چیز کا نام ہے، اور اسلام کس کو کہتے ہیں۔ اگر آپ ان کی نمازوں پر غور کریں تو آپ کہہ اٹھیں گے کہ خدا کی قسم اگر ہماری نماز، نماز ہے تو ان کی نماز نماز نہیں بلکہ کچھ اور ہے اور اگر ان کی نماز نماز ہے تو خدا کی قسم ہماری نماز نماز نہیں ہو سکتی۔ ان کے یہاں دشمن کے ساتھ محبت ہے۔ وہ قاتل کو سینے سے لگاتے ہیں جو ان کے پاس قتل کے ارادے سے آئے، وہ اس کو دوست بنا لیتے ہیں۔ جو ان کی عیب جوئی کرے۔ اس کو اپنا محسن مانتے ہیں اور اپنی برائیوں پر غور کرتے ہیں، جو ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، جو شخص ان کے پاس سے گذر جائے خواہ وہ سینے میں ان کی عداوت لئے ہو۔ خواہ ان کی برائی کرتا پھر رہا ہو۔ خواہ وہ ان کے قتل کے ارادے سے آیا ہو۔ وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور ان کا گذرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اسے کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہو، اور کتنا ہی بڑا محقق ہو۔ بغیر کسی کامل یا کامل تر انسان کی صحبت کے اس کی زندگی کی ہرگز ہرگز تکمیل نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ غلط فہمی زیادہ دن نہیں رہتی ہے۔ اسلام کے تیرہ سو برس سے یہ قانون خداوندی چلا آرہا ہے۔ اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔ امام غزالی جیسا آدمی جن کی قلم و تحقیق کے سامنے آج بھی یورپ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ آج بھی یورپ ان کا لوہا مانتا ہے۔ ان کی کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب اپنے شیخ کی خدمت میں جن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا ہے۔ شیخ ابو علی فارمدی جن کا نام آپ میں سے اکثر نہیں جانتے ہوں گے، لیکن ان کی صحبت سے امام غزالی کو کیا ملا ہے

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اتنے بڑے فلسفی، اتنے بڑے متکلم اور محقق کو ایک گمنام شیخ کی خدمت میں جانے کی کیا ضرورت تھی، لیکن اسی شیخ کا اثر تھا کہ جب وہاں سے نکلے تو وہ چیز لے کر نکلے جس کے سامنے حکومت کا بڑے سے بڑا عہدہ ہیچ تھا، بغداد کا مسند درس جسکے سامنے بغداد کی خلافت بالکل گرد تھی، اسی بے پروا سے سامنے حکومت کو سرنگوں ہونا پڑتا تھا اس کو ٹھوکر مار کر چلے۔ زبان گنگ ہوئی اور اعضاء معطل ہو گئے۔ حتیٰ کہ اطباء نے کہہ دیا کہ ان کو ایسی فکر ہے جس نے تمام قویٰ کو معطل کر دیا ہے۔ تب امام غزالی، امام غزالی ہوئے۔ ورنہ بغداد میں عالموں محققوں اور محدثوں کی کمی نہیں تھی۔

ہندوستان پر نادر شاہ کے حملہ کی دلچسپ داستان

حافظ محمد حسان علوی بی۔ اے انرز، ایم اے

مغل سلطنت کا زوال

اپنے ایک پرائیوٹ خط میں شہنشاہ اورنگ زیب نے شکایت کی تھی کہ۔ "کام کرنے والے آدمی بالکل نایاب ہیں اس پر میں جتنا بھی افسوس کروں کم ہے"۔ لیکن پھر وہ آگے چل کر وزیر سعد اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "قابلیت وصلاحیت ضروری نہیں کہ صرف عمر رسیدہ لوگوں ہی کو خدا نے دی ہو، اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے، یہ تو عقلمند لوگوں کا کام ہے کہ ان کی قابلیت کو پرکھیں ان کو جیت لینے کی کوشش کریں، اور پھر ان کے ذریعہ سے اپنے کام نکالیں، اگر حسد ورقابت کی وجہ سے کوئی ان کی شکایت کرے تو اس کان سنیں اور اس کان اڑا دیں، اور ان کی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کریں[۱]"

بعد کے مغل شہنشاہوں کے اخلاق اور امتیازی کردار کی پستی ہی کی وجہ سے ان کی نجابت اور شرافت نفس میں زوال شروع ہو گیا تھا، شہنشاہ اورنگ زیب کی سخت خبرگیری اور غیر اعتمادی اور اپنے والدین کے لئے حد سے زیادہ بڑھی ہوئی محبت نے شاہزادوں کو محلات سے باہر نکلنے کی مہلت ہی نہ دی یا وہ اپنی اپنی صوبائی حکومتوں میں اپنے اتالیقوں کے بے حد دباؤ میں رہے، اس طرح سے معاملات سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہو پائی اور نہ ہی حکومت کے کاموں میں اپنے آپ کو منہمک کرنے کے لئے ان میں جرأت وہمت پیدا ہو سکی، اٹھارہویں صدی میں مغل سلطنت کے ورثاء اس معاملہ میں بے یار ومددگار تھے، اور دوسروں کی مدد پر ہمیشہ قانع رہنے ہی کو اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے تھے، نہ ہی وہ تخیلاتی طور سے آزاد تھے، نہ ہی کسی ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے نڈر، اور نہ ہی کسی کام پر فیصلہ کن طریقے سے عمل کر سکتے تھے، ان کی عقلیں اور جسم سب مضمحل ہو گئے تھے، وہ صرف اس حرم کی کنیزوں اور چاپلوسوں کی صحبت میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے، اور اسی میں اپنے دماغ کے ایک ایک پرزے کو کام میں لاتے تھے۔ ہر شخص کے اعصاب پر عورت بری طرح سوار رہتی تھی۔ جب ایسے ایسے عضو معطل قسم کے شاہزادے تخت کے مالک بنے تو حکومت کی ساری باگ ڈور قابل وزراء کے ہاتھوں میں سونپ کر خود عیش پرستی کی رندگی میں مشغول رہنے لگے، اس بات سے وزراء کے درمیان اچھی خاصی چپقلش اور رشک وحسد رہتا تھا، اور ایک دوسرے کو گرانے کے مختلف قسم کے داؤ پیچ لگائے جاتے تھے، بیوقوف قسم کے شاہزادے آپس کے جھگڑوں میں بنات خود پیش پیش رہتے، اس طرح ان کا وقت گذرتا تھا اور اسی میں ان کی ساری صلاحیت صرف ہوتی تھی!!

جب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس زمانہ میں تین مرکزی وزراء سلطنت موجود تھے، جو بہت ہی قابل تھے اور زبردست ذہانت کے مالک تھے ان کے نام یہ ہیں (۱) آصف جاہ نظام الملک وکیل مطلق (۲) اعتماد الدولہ قمر الدین خان وزیر (۳) اور خواجہ عاصم صمصام الدولہ خان دوراں امیر الامراء بخشش الممالک اور صوبائی حکومتوں میں جو بلند پوزیشن رکھتے تھے، ان کے نام یہ ہیں (بنگال کے نیم آزاد صوبے داروں اور نظام کو چھوڑ کر) (۱) اودھ کا صوبیدار سعادت خان برہان الملک جو دربار میں وزارت کے لئے جدوجہد کر رہا تھا، ان سب میں خان دوراں کو چھوڑ کر جو درباری چاپلوس تھا، اور غیر قابلین[۱] کی حیثیت رکھتا، اور نہ ہی وہ حکومتی کام کی صلاحیت ہی رکھتا تھا نہ تجربہ، نظام سمرقند میں پیدا ہوا تھا اور اپنے لڑکپن ہی میں وہ مغل شہنشاہ کے دربار میں قسمت آزمائی کے لئے ہندوستان آ گیا تھا، اور اسی طرح کا معاملہ قمر الدین وزیر کا بھی تھا، جو نظام کا چچا زاد بھائی تھا، اور سعادت خان خراسان کا رہنے والا تھا، اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں وہ ایک حوصلہ مند جانباز کی حیثیت سے ہندوستان آیا تھا۔ یہ اشخاص ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کوئی محبت نہیں رکھتے تھے، اور نہ حب الوطنی کا جذبہ ان کے دلوں میں کارفرما تھا۔ اس لئے کہ ہندوستان ان کا وطن تھا اور نہ ہی یہاں کی تہذیب وتمدن سے یا تاریخ سے ان کا کوئی واسطہ تھا اور نہ ہی تخت کے ساتھ موروثی وفاداری کا خیال ان کے دماغ میں تھا، وہ صرف مغل شہنشاہوں کے تنخواہ دار تھے۔ آخری شہنشاہوں کے زمانہ میں دہلی دربار دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا، ایک ایرانی شیعوں کا طبقہ تھا اور دوسری طرف تورانی سنیوں کی پارٹی تھی، اس زمانہ میں ہندو راجہ ہمیشہ سنیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے!!

زندگی کے نئے فلسفہ کو سکھانے یا بتانے کے لئے کوئی سیاسی ذہن میدان عمل میں نہیں آیا، تاکہ وہ زندگی کی نئی شمع روشن کر سکے، درباری زندگی اب کچھ شیعوں کے ہاتھ میں تھی، وہ ناطہ ختم ہو چکا تھا، جو دربار اور ملک کے عوام کو ایک تاگے میں باندھتا تھا، اور ملک کی فلاح و بہبودی کے لئے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا، حکومت ختم ہو چکی تھی، اور اب صرف... طوائف الملوکی کا زور تھا، ہر طرف ہنگامے مچ رہے تھے بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، اندرونی، بیرونی نظام بالکل غارت ہو چکا تھا، اب لوگ اپنے آباء واجداد کے زبردست کارناموں کو دہرا دہرا کر اپنے حوصلے پورے کیا کرتے تھے، اور اپنے زمانہ کی ناخلفی اور بڑھتے ہوئے تنزل وانحطاط کے خیالات کو سر کے ایک جھٹکے سے اپنے دماغوں سے نکال دیا کرتے تھے!!

نادر شاہ کے حملہ سے پہلے لٹیرے جاٹوں نے دار السلطنت کے قریب کے سارے راستے اپنی غارت گریوں سے غیر محفوظ بنا رکھے تھے، جس کی وجہ سے تجارتی کاموں میں بھی رکاوٹیں پڑتی تھیں اور لوگوں کی آمد ورفت میں بھی بہت حد تک کمی آ گئی تھی، اور دوسری طرف مرہٹوں نے اپنے حملوں اور لیکو گجرات، مالوہ اور بندیل کھنڈ پر ان کی مستقل سکونت نے سلطنت مغلیہ کو موت کے دہانے تک پہونچا دیا تھا، لوگوں کی آمدنیوں میں کمی آتی جا رہی تھی اس طریقہ پر صنعت وحرفت میں لوگوں نے روپیہ لگانا چھوڑ دیا تھا اور پست ہمت ہو کر بیٹھ گئے تھے!!

شاہزادوں اور امراء سلطنت یا حکومت اور باغیانہ دماغ رکھنے والی رعایا کے درمیان مستقل جھگڑوں نے ٹیکس ادا کرنے والوں میں عدم حفاظت کا بیج بو دیا تھا اور اسی وجہ سے ان لوگوں نے ٹیکس دینا بالکل بند کر دیا تھا کیا فن زراعت کا لگان روک لیا تھا جس سے حکومت کو کافی سے زیادہ نقصان ہوتا تھا، اور اس کی آمدنی کا خاص ذریعہ ہی رک کر رہ گیا تھا اور نیچے طبقے کے افسران

عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ

دعوت، جہاد، عمل

(۴)

محمد اجتبا الحسینی ندوی

یورپ وروس کے سفر

دمشق یونیورسٹی ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی صاحبؒ کو کلیۃ الشریعۃ کے پرنسپل منتخب کئے جانے کے بعد ہی یورپ بھیجنا چاہتی تھی تاکہ وہاں کی یونیورسٹیوں کے طرز تعلیم، نصاب درس اور شعبۂ لاہوت وشرقی علوم کے اداروں سے تعارف وواقفیت حاصل کریں اور ان کے ذمہ داروں سے تبادلۂ خیالات کریں اور براہ راست ان کے تعلیمی تجربات سے روشناس ہوں۔ لیکن یہ سفر خود ڈاکٹر صاحب کی دعوتی اور اصلاحی مشغولیتوں اور بعض دوسرے عوارض کے باعث ملتوی ہوتا رہا، اور ۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو ڈاکٹر سباعیؒ یورپ روانہ ہوئے راستہ میں استنبول اترے اور ایک یوم وہاں قیام کیا عرب اور ترک طلبہ کے سامنے ایک موثر تقریر کی۔

یورپ کے سب ہی ملکوں کا دورہ کیا اور اس کی ساری یونیورسٹیوں، علمی مراکز اور ثقافتی اداروں وشعبوں کی زیارت کی اور ان کے ذمہ داروں سے کھل کر اور صاف صاف گفتگو اور تبادلۂ خیالات کیا، تعلیم وتمدن کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر اور طرز فکر معلوم کئے اور اسلامی نظریہ وفکر کو پیش کیا اور بے انتہا جرأت وآزادانہ طریقہ پر ان کے طرز فکر وعمل کی تنقید کی اور اپنے علمی ومنطقی استدلال وحجت سے ہر شخص کو متاثر کیا اور ان کی بہت سی اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور ان سب علمی حلقوں کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا صاف اور ستھرے ذہن سے مطالعہ کریں اور پچھلی غلط فہمیوں اور تلخیوں سے کنارہ کش ہو کر حق وانصاف کی کسوٹی پر اسلام کو جانچیں اور پرکھیں۔

سباعی صاحب نے مستشرقین یورپ سے خاص طور سے ملاقات کی۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے دوران تعلیم میں مستشرقین کی کتابیں بڑے ذوق وانہماک سے پڑھتے تھے اور "گولڈ زیہر" و "مرگیلوتھ" وغیرہ نے جو کچھ اسلام وحدیث شریف کے بارے میں لکھا ہے، اس پر تنقید بھی کی تھی اور اپنی کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" میں مستشرقین کا ایک مختصر جائزہ لیا ہے یورپ جاکر اور ان سے ملاقات کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے ان کے خطرناک اور بھیانک پہلو اور زیادہ روشن ہو گئے۔

سباعی صاحب کو اللہ تعالے نے زور بیان اور قوت استدلال کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا جس سے جہاں بھی گفتگو کرتے تاثر ویقین پیدا کر دیتے۔ اس دور کے مشہور وممتاز مستشرقین سے ملاقاتیں ہوئیں اور بحث ومباحثہ بھی ہوا، سب سے پہلے پروفیسر "اندرسن" سے لندن یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی — یہ شعبہ شرقیات میں اسلامی عائلی قانون کے صدر ہیں اور مصر میں ایک طویل مدت تک قیام کر چکے ہیں، عربی زبان پر خاصی قدرت ہے، ۱۹۶۳ء میں ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں "اندرسن" صاحب کے ساتھ ایک مجلس مذاکرہ میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے — سباعی صاحب نے دوران گفتگو یہ محسوس کیا کہ وہ بڑی حد تک متعصب اور اسلام دشمن ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف ایک مثال کافی ہے جس کو سباعی صاحب سے خود انھوں نے ہی بیان کیا، آپ اسی سے مستشرقین کی عام ذہنیت اور اسلام دشمنی کا اندازہ لگا سکتے ہیں: اس نے بتایا کہ میں نے ایک ازہری عالم کو لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے سے محروم کر دیا ہے ان کے مقالہ کا عنوان "اسلام میں عورت کے حقوق" تھا ان ازہری عالم نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا تھا کہ اسلام نے عورت کو کامل حقوق عطا کئے ہیں، ڈاکٹر سباعی صاحب نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا کہ آپ نے انھیں صرف اس وجہ سے کیوں فیل کر دیا حالانکہ آپ لوگ آزادیٔ فکر ورائے کے دعویدار ہیں؟ اندرسن نے جواب دیا کہ اس لئے میں نے فیل کیا کہ وہ کہتے تھے کہ اسلام نے عورت کو یہ حقوق دیئے، اسلام عورت کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کرتا ہے! کیا وہ اسلام کے سرکاری ترجمان اور ٹھیکیدار ہیں! یا وہ ابوحنیفہ یا شافعی ہیں کہ اس طرح کے دعوے کریں اور اسلام کے نام پر! اس طرح کے غلو خیالات کی تائید میں گذشتہ فقہاء اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اپنے آپ پر ناز وغرور ہے کہ وہ اسلام کو ابوحنیفہؒ وشافعیؒ سے زیادہ سمجھتا ہے! یہ اس مستشرق کی منطق اور طرز استدلال ہے جو اب تک زندہ ہے اور شاید ابھی تک لندن یونیورسٹی میں اسلام کے عائلی قوانین کا صدر ہے!

اسی طرح کا ایک دوسرا دلچسپ واقعہ جرمن یہودی النسل مستشرق "شاخت" کے ساتھ پیش آیا۔ سباعی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"ہالینڈ کی لیدن یونیورسٹی میں جرمن یہودی النسل مستشرق "شاخت" سے میری ملاقات ہوئی وہ بالے اس دور میں اسلام کے خلاف زہر افشانی اور اسلامی حقائق ونظریات کو غلط اور مغرضانہ انداز سے پیش کرنے میں "گولڈ زیہر" کا سچا پیغامبر اور جانشین ہے۔ میں نے اس سے دیر تک "گولڈ زیہر" کی غلط کاریوں اور ہماری کتابوں سے عبارتیں توڑ مروڑ کر اور تبدیل کر کے نقل کرنے پر بحث کی۔ شروع میں اس نے اس کا سرے سے انکار کیا، گولڈ زیہر نے جو کچھ تاریخ حدیث وسنت پر لکھا ہے اس سے میں نے ایک مثال پیش کی، اس نے حیرت کا اظہار کیا، پھر اس کتاب کی ورق گردانی کی — ہماری یہ گفتگو اس کی خاص لائبریری میں ہو رہی تھی — اور سر اٹھا کر جواب دیا آپ صحیح کہتے ہیں، گولڈ زیہر نے بیان غلطی کی ہے، میں نے کہا: کیا یہ صرف غلطی ہے!! اس پر اس نے ناراض ہو کر کہا: آپ اس سے بدظنی کیوں کرتے ہیں؟ اسکے بعد میرا موضوع سخن گولڈ زیہر کے عبد الملک بن مروان کے ساتھ امام زہریؒ کے رویے کے تجزیہ کی طرف منتقل ہو گیا، میں نے تاریخی حقائق سے گولڈ زیہر کے اس دعوے کی تردید کی اور اس سلسلہ میں تھوڑی سی بحث وحجت کے بعد شاخت نے کہا کہ

یہ بھی گولڈ زیہر سے غلطی ہوئی کیا علماء سے غلطیاں نہیں ہوا کرتیں! میں نے اس سے کہا کہ گولڈ زیہر مکتب استشراق کا بانی ہے تاریخی حقائق کی روشنی میں اسلامی شریعت کے بارے میں اس کے فیصلوں کی بنیاد رکھی گئی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ وہ امام زہریؒ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت اس اصول کو نظرانداز کر گیا اس نے اپنے لئے کیسے یہ روا رکھا کہ امام زہریؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف عبدالملک بن مروان کی خوشنودی کے لئے مسجد اقصیٰ کی فضیلت میں حدیث وضع کی، حالانکہ زہریؒ نے حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے سات سال کے بعد عبدالملک سے ملاقات کی؟ اس وقت "شاخت" کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ کف افسوس وندامت ملنے لگا اور اس پر غصہ وپریشانی کے آثار نمایاں ہوگئے، میں نے اپنا سلسلۂ کلام ختم کرتے ہوئے کہا کہ یہی چیزیں ہیں جنھیں آپ "غلطیاں" کہتے ہیں، گذشتہ دور میں علمی حقائق کا شکل اختیار کر کے لوگوں کے زبان زد ہوجایا کرتی تھیں، اور ہم مسلمان ان کتابوں کے مصنفین کی وفات کے بعد انھیں پڑھتے تھے، اب میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی غلطیوں پر ہمارے خیالات سن کر اپنی زندگی میں اسے درست کرلیں گے اور وہ علمی حقائق بن کر عام نہ ہونے پائیں گے"

استاذ سباعی صاحبؒ کی یورپین یونیورسٹیوں اور علمی حلقوں اور اداروں میں مختلف اسلامی موضوعات پر تقریریں ہوئیں اس سے عرب ومسلم طلباء کے حلقوں میں دعوت واصلاح کا خاصا کام ہوا۔

استاذ سباعیؒ اکتوبر ١٩٥٦ء میں یورپ سے واپس آئے۔ ان کے احباب عقیدت مند شاگرد اور اخوان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوکر دمشق سے کئی میل کے فاصلے پر بڑا پرجوش اور شاندار استقبال کیا اور اخوانی مرکز تک نعرہ ہائے تحسین ومبارکباد اور اہلاً وسہلاً مرحبا بالقادم المیمون کی دل نواز گونج میں اپنے شانوں اور ہتھیلیوں پر اٹھا کر لائے مرکز میں پہونچ کر سباعی صاحبؒ نے اپنے سفر کے تاثرات اور روداد مختصر طور پر بیان کی اور بعد میں اخبارات ورسائل میں استشراق ومستشرقین پر مستقل مضامین

لکھئے:

جولائی ١٩٥٠ء میں ماسکو یونیورسٹی نے دمشق یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ اور ذمہ داروں کو روس مدعو کیا، اس دور میں شامی سیاست پر کمیونسٹوں اور نیشنلسٹوں کا بڑا اثر ورسوخ تھا، انھوں نے انتہائی کوشش کر ڈالی کہ سباعی صاحب اس وفد کے رکن نہ منتخب ہوسکیں کیونکہ انھیں اندیشہ تھا کہ یہ مرد مومن اپنی جرأت رندانہ سے ان کے خیالی قلعوں کو مسمار کردے گا اور وہ اپنے خوشنما خوابوں کی تعبیر نہ حاصل کرسکیں گے، لیکن جب دمشق یونیورسٹی کے چانسلر نے وفد کے ارکان کے نام کا اعلان کیا تو کانوں نے مصطفیٰ السباعی کا نام بھی سنا۔

یہ وفد روس میں ٢٢ دن مقیم رہا، سارے علمی اور صنعتی اور تمدنی مراکز کی زیارت کی، اور بڑے غور سے اس کے عام حالات کا جائزہ لیا سباعی صاحب نے واپس آکر بڑی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ طور پر اپنے تاثرات بیان کئے اور ایک روزنامہ "المنار" نے ان کو پانچ قسطوں میں شائع کیا جسکو لوگوں نے بڑے ذوق ودلچسپی سے پڑھا اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔[1]

ڈاکٹر صاحبؒ نے روس میں چند باتوں کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور مقامی لوگوں سے اس کے متعلق دریافت بھی کیا لیکن کوئی اطمینان بخش جواب انھیں نہیں ملا۔ بعض پہلوؤں سے روس میں معاشی ترقی اور خوشحالی نظر آئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ماسکو کی جگمگاتی اور آباد سڑکوں پر پھٹے پرانے کپڑوں میں نوجوانوں اور لڑکوں کو چلتے پھرتے دیکھا جن کے پیروں میں جوتے نہیں تھے اور گرانی بے حد نظر آئی۔ بڑے بڑے دیو ہیکل اور فلک بوس محلوں کی آڑ میں جھونپڑے بھی نظر آئے۔ ملازمین اور یونیورسٹی کے پروفیسروں اور ذمہ داروں کی تنخواہوں میں بڑا تفاوت بھی محسوس کیا ان میں سے بہتوں کے بنکوں میں حسابات بھی ہیں۔ زمین دوز ٹرینوں اور اسٹیشنوں میں اسراف وفضول خرچی کی حد تک نقش ونگار اور مرمریں فرش بھی دیکھے اور اس سے زیادہ جاں فرسا اور حیرت انگیز چیز جو انھوں نے دیکھی جس کے لئے وہ تڑپ گئے اور رنج وغم سے اشک ریز ہوئے ماسکو کی جامع مسجد کے دروازے پر جمعہ کے دن فقیروں اور محتاجوں کی قطاریں دیکھیں، اس کے علاوہ دوسری

[1] ہم جلد ہی اسکا ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ (اقبال)

کسی جگہ کوئی فقیر نظر نہیں آیا، مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوئے تو انھیں ٥٠۔٦٠ سال سے متجاوز عمر کے لوگ نماز پڑھتے نظر آئے، خود ان کا ترجمان ایک نوجوان مسلمان تھا، نماز کے وقت وہ الگ بیٹھا رہا نماز کے بعد استاذ سباعیؒ نے اس سے پوچھا کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی تو اس نے بڑی بے نیازی اور لاپرواہی سے جواب دیا: ہم نماز نہیں پڑھتے! گویا اس کے نزدیک نماز کوئی اہمیت نہیں رکھتی (معاذ اللہ)

باقی آئندہ

(بقیہ) میخانہ یورپ کے نرالے انداز!

میں کامیاب ہوجائیں گے جن کی ذہنی نشوونما اور عقلی وفکری تربیت خود انہی کی نگرانی میں ہوتی ہوگی وہ نوجوان الحاد اور مغربی تہذیب وثقافت کے دلدادہ ہوں گے پھر انھیں میں سے کچھ لوگ سیادت وقیادت کی راہیں ہموار کریں گے اور اقتدار اعلیٰ کی کرسیوں پر متمکن ہوں گے۔ وہاں یہ نوجوان استعمار پسندوں کے افکار وخیالات کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوں گے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی دوسری سرگرمیوں کے لئے بہت آسانی سے فضا سازگار بنادیں گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے، وہ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب لڑکیوں کے لئے زیادہ پرکشش ہے وہ بہت جلد اس رنگ میں رنگ جائیں گی اور ان کا پڑھایا ہوا سبق بہت جلد ذہن نشین کرلیں گی اور آگے چل کر یہی لڑکیاں ان کے افکار کی اشاعت میں مددگار ثابت ہوں گی کیونکہ یہ یقین ہے کہ یہی لڑکیاں کچھ ہی دنوں بعد مائیں بنیں گی اور اولاد کی تعلیم وتربیت انھیں کے ذمہ ہوگی تو یہ اپنے اولاد کو انھیں سانچوں میں ڈھالیں گی جو خود ان کو عزیز ہیں اور اسی تہذیب سے مہذب کریں گی جس میں خود ان کی نشوونما ہوئی ہوگی۔

(باقی آئندہ)

براہ کرم
خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے (منیجر)

نعت

دل ایوبی ٹونکی

اے گلشن توحید الٰہی کے نگہباں
اے شاہد گلگوں صفت اے سرو خراماں

رنگینیٔ افسانۂ کونین کے عنواں
میخانۂ توحید کے اے ساقیٔ دوراں

ہر ذرۂ خاکی ہے تری ضو سے فروزاں
اے مطلع توحید کے خورشید درخشاں

ممکن ہی نہیں عقل حقیقت تری سمجھے
اک راز کی صورت ہے ترا پیکر انساں

کونین کے اس آئنہ خانے میں سراسر
خودبین وخود آرا ہے تو ہی آئنہ ساماں

رتبہ ترا وہ رتبہ عالی ہے کہ جس پر
سرداری کو سو ناز ہیں سرخیل رسولاں

تیرے رخ روشن کی تجلی سے ہوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں ہر سمت چراغاں

پھر ایک جھلک دیدۂ مشتاق کو للہ
پھر ایک نظر دل کی طرف خاصۂ خاصاں

غزل

رئیس الشاکری بارہ بنکوی

اہل محفل اور ہیں محفل ہے اور
یہ بھی اعجاز جناب دل ہے اور

جلوہ فرما ہیں وہ اک اک گام پر!
اہل دل کے واسطے مشکل ہے اور

ہاں ذرا دو اک نشانے اور بھی!
دل ابھی تو مشق کے قابل ہے اور

مر کے ملتی ہے "حیات جاوداں"
درحقیقت خنجر قاتل ہے اور

ناخدا کچھ تدبر چاہیئے
یہ سراپا وہم ہے ساحل ہے اور

ہٹ گئے ہو مقصد تخلیق سے
زندگی کا دوستو! حاصل ہے اور

چاند تاروں میں بھٹکنا ہے عبث
"امتحان عشق کی منزل ہے اور"

پھر کہاں ہوگا رئیس آشا کری؟
دو گھڑی کی رونق محفل ہے اور

نعت

شمس بستوی

رخسار سے ساقی کے اٹھتی ہے نقاب آخر
پیمانوں میں پڑتی ہے وحدت کی شراب آخر

اے ماہ عرب تجھ سے آفاق ہوئے روشن
معدوم ہوئے چھٹ کر ظلمت کے سحاب آخر

باطل نے جو چھوڑے تھے کچھ نقش جہالت کے
نابود ہوئے مٹ کر مانند حباب آخر

لائی ہے نسیم صبح طیبہ سے بہار نو
اجڑے ہوئے گلشن میں کھلتے ہیں گلاب آخر

برکات کے در جس سے کھلتے ہیں غلاموں پر
پھر ہاتھ مرے آیا وہ کار ثواب آخر

اس راہ میں آتا ہے ایسا بھی مقام اے دل
عشاق پہ کھلتے ہیں اسرار کتاب آخر

اے شمس! بتاؤں میں ہے قسمت مسلم کیا
شمشیر وسناں اول، سوز وتب وتاب آخر

محمد سعید رمضان البوطی پروفیسر دمشق یونیورسٹی

میخانۂ یورپ کے نرالے انداز

(۲)

ترجمہ: نور عظیم ندوی

استعمار پسند قوتیں اسلام کے ان خصائص سے آج سے چھ سو سال پہلے آگاہ ہوئیں اور اسی وقت سے اسلام کا مقابلہ ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئیں اور برابر آپس میں سرگوشیاں اور مشورے کرتی رہیں، ان کی کوئی تقریر یا کوئی کانفرنس اس ذکر سے خالی نہیں رہتی تھی۔

ان سرگوشیوں اور مشوروں کا کچھ حصہ کسی طرح ہم تک بھی پہونچ گیا ہے جس سے ان کے عزائم اور ان کے اغراض کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دین کامل کی حیثیت سے ۔۔۔ ان کی نظروں میں کتنا اہم ہے؟

اس سلسلہ کی ایک کڑی MUSLIM WORLD TO DAY بھی ہے یہ مسیحی مبلغین کی مختلف تقریروں اور مضامین کا مجموعہ ہے اسے بحرین کے مسیحی مشنریز کے صدر صموئیل زویمر (S. ZWEIMER) نے جمع کرکے یورپ سے شائع کیا ہے۔ اس کی ایک تقریر یہ ہے:۔

"دین اسلام سے پہلے توحید پر اتنا محکم اور مضبوط کوئی عقیدہ گذرا ہی نہیں، اس نے ایشیا اور افریقہ کے دو وسیع و عریض براعظموں پر حملہ کیا اور لاکھوں انسانوں میں اپنے عقائد اپنے قوانین اور اپنے رسوم پھیلا دیئے اور ان کے باہمی تعلقات کو عربی زبان کے ذریعہ بہت ہی مستحکم کر دیا ...

... ...

جس سے وہ ایسے کوہستانی سلسلہ کی طرح ہو گئے جس کی بلند چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔"

اسی تقریر میں دوسری جگہ ہے:۔

"مسیحی کلیسا نے سخت ترین غلطی کا ارتکاب کیا کہ اس نے مسلمانوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس نے یہ سمجھا کہ اسلام کی اہمیت دس لاکھ بت پرستوں کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور وہ طویل مدت تک انھیں سے الجھے رہے، حالانکہ اسکی یہ رائے قطعی غلط تھی۔ اور تیس سال پہلے اس کو اسلام کی عظمت، اس کی قوت، اس کی حقیقت اور اس کی تیزی کا صحیح اندازہ بھی تو نہیں تھا۔"

نیز اسی سلسلہ کی ایک کڑی WHETHER ISLAM بھی ہے۔ انگریز مستشرق GIBB اس کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"اہل یورپ کے لئے اسلام کا مسئلہ صرف علمی اور تحقیقی مسئلہ ہی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں کی تمام تصرفات پر زبردست غلبہ حاصل ہے اور اسی نے عالم اسلامی کی رجحانات میں ان کو ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ اسلام چند مذہبی قوانین کا مجموعہ ہی نہیں ہے ایک مکمل تہذیب بھی ہے۔"

مستشرقین کی تحریریں اور تقریریں اس قسم کی چیزوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کو اسلامی ممالک میں اپنے مصالح، اپنی نوآبادیوں کے لئے ایک اہم خطرہ اور اپنے غلبہ و استیلا کی راہ کا روڑا سمجھتے ہیں۔ مستشرقین اسلام کی اس اہمیت کا اندازہ کر چکے ہیں اس میں ان کے نزدیک دو رایوں کی گنجائش نہیں۔

یہ خیالات ان کی آپس کی ہدایتوں اور مشوروں سے واضح ہو جاتے ہیں جس کا اکثر حصہ انہی کے رسالوں کتابوں اور تقریروں کے ذریعہ ہم تک پہنچ چکا ہے۔

چنانچہ بال (BAL) سوئٹزرلینڈ سے شائع ہونے والے مسیحی تبلیغی مشن کے ایک میگزین میں جرمن نوآبادیاتی کانفرنس کی قراردادیں شائع ہوئی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے:

"اسلام کی ترقی ہماری نوآبادیوں میں اضافہ کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے لہذا یہ نوآبادیاتی کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس تحریک پر مزید توجہ کرے اور اس کا خیال رکھے۔ اسی طرح یہ کانفرنس دینی معاملات میں ظاہری غیر جانبداری کی ضرورت کے اعتراف کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں میں نوآبادیوں کا زمام کار ہے یہ مشورہ دیتی ہے کہ وہ ان تمام سرگرمیوں کا مقابلہ کریں جن سے اسلام کے حدود اثر میں اضافہ کا امکان ہو۔ اور نصرانیت کی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں ان کا ازالہ کریں اور اس سلسلہ میں ان تبلیغی وفود کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں، جو تہذیب و تمدن کے اصولوں کی اشاعت کرتے ہیں۔"

(الغارة على العالم الاسلامی)

انگریزی ماہنامہ مسلم ورلڈ (MUSLIM WORLD) نے اسی کانفرنس میں کی ہوئی بیکر (BAKER) کی ایک تقریر شائع کی ہے وہ کہتا ہے:

"مسلمانوں کے سلسلے میں جو سیاسی رویہ ہمیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اپنی حکومت کی سیاسی پالیسی از سر نو مرتب کریں اب تک صرف مسیحی مبلغین ہی اسلام کے مسئلہ میں دلچسپی لیتے رہے ہیں حالانکہ میرا خیال ہے کہ ہماری نوآبادیوں میں مسلمانوں کا معاملہ ہمیشہ کے لئے حکومت کی طرف منتقل کر دیا جائے۔"

ولیم جیفورڈ بالکرید (WILLIAM JEDFORD) اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے:

"جب قرآن اور شہر مدینہ و مکہ سرزمین عرب سے مٹ جائیں گے اسی وقت ایک عربی ہماری تہذیب و ثقافت کی طرف بڑھ سکتا ہے عرب قوم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی کتاب ہی نے ہماری تہذیب سے دور کیا ہے۔" (الغارة على العالم الاسلامی)

اس اہم مقصد "کے حصول یعنی اسلام کا زور توڑنے اور اس کو مغلوب کرنے کے لئے مختلف پر فریب ذرائع اختیار کئے ہیں۔ جیسے میاری اور ممتاز تعلیمی انتظامات، طبی امداد، نرسوں کا انتظام، اور پروہ صحافت پر اثر اندازی، نقضے، فسادات، نسلی وطنی تحریکیں اور صیہونیت کی دعوت وغیرہ لیکن وہ خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ان تمام وسائل میں سب سے اہم اور مفید تعلیمی وسائل پر قبضہ کرنا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیمی وسائل پر قبضہ کرنے کے دو نتیجے بہت آسانی سے ظاہر ہو سکتے ہیں اور وہ دونوں اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔

سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ تعلیمی وسائل پر قبضہ کرکے معمولی مدت میں معاشرہ میں ایسے افراد پیدا کرنے

(بقیہ ص ۱۲ پر)

بقیہ تقریر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

امام احمد علم و فن میں کسی سے کم نہ تھے، لیکن وہ اپنے شیخ کے پاس جاتے تھے اور نہایت ادب سے بیٹھتے تھے۔ حالانکہ وہ علم و فن میں ان سے کم ہی تھے۔ ان کے احباب اور ساتھیوں نے کہا کہ آپ فلاں کے پاس کیوں بیٹھتے ہیں۔ اس سے ہم لوگوں کو غیرت ہوتی ہے۔ تو انھوں نے کہا:

يجلس الانسان حيث يجد دواء قلبه

انسان جہاں دل کے درد کی دوا پاتا ہے وہیں جاتا ہے۔

سید سلیمان ندوی کو دیکھ لیجیے، ان کو کس چیز کی کمی تھی، دو مرتبہ خلافت کی تحریک میں یورپ گئے، موتمر عالم اسلامی میں ہندوستان کے واحد نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے، علمی تحقیقات و تصنیفات میں وہ مرتبہ تھا کہ علامہ اقبال جیسا قابل اور تعلیم یافتہ آدمی جو مغربی تعلیم کے لئے بھی مایۂ ناز ہے، اپنے خط میں لکھتا ہے۔

"سید سلیمان علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرہاد ہے"

اقبال سے بڑا کون ہے جس کو اس عصر کی تعلیم نے پیدا کیا ہو۔ جب ان کے مکاتیب چھپنے لگے تو پاکستان کے لوگوں نے چاہا کہ یہ خط نہ چھپے، ایک عالم دین کی یہ عزت ان سے دیکھی نہ جاتی تھی، لیکن اس کے باوجود لوگوں نے کہا کہ آپ سے بڑھ کر کون عالم ہے، لیکن آپ فلاں کی مجلس میں کیوں شریک ہوتے ہیں تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ ایک طرف تو مجھ پر تم کو یہ اعتماد کہ مجھ سے بڑا کوئی نہیں ہے پھر دوسری طرف یہ بے اعتمادی کہ میرا کسی کی مجلس میں بیٹھنا تمھیں ناپسند ہے۔

عزیزو! یہاں قدم قدم پر درندے بیٹھے ہوئے ہیں نفس پرستی، زر پرستی، جاہ پرستی اور نہ جانے کتنے کتنے فتنوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ کتنے لوگ علوم و فنوں کے نامعلوم کتنے دریا عبور کر چکے ہیں لیکن نفسانیت کی ایسی پستی میں مبتلا ہیں کی خدا کی پناہ، اپنے منہ سے ایسی ایسی پست باتیں کہہ جاتے ہیں کہ سننے والا متحیر ہو جائے، اتنا بڑا عالم اور ایسی پست باتیں نفس پرستی اور مال و دولت کے ادنی اشاروں پر وہ ملت اسلامیہ کو غارت کر دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ دین ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنے ایک ایک جلسے میں ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی ہلاکت کا اعلان کر دیتے ہیں۔

میرے عزیزو! یہ ادارے کسی ذات یا کسی شخص واحد کی دعوت نہیں اور نہ کوئی اس کا مستحق ہے جس طرح تم یہاں بیٹھے ہو یا دیوبند میں رہتے ہو۔ یہ کیا کوئی بھی ادارہ ہو، جامعہ زیتونہ ہو، جامع ازہر ہو یا جامع قرویین ہو یا دنیا کی کوئی بھی درسگاہ ہو وہاں سے صرف علم حاصل کرنا اور اس کے بعد اس سے بے تعلق ہو جانا کافی نہیں ہے۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتا، کہ دنیا کے کسی دور میں اور دنیا کے کسی حصہ میں رہو، تم بلا استاذ و شیخ کے تعلق کے کچھ نہیں کر سکتے، اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو تم اپنے معلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو، اس کے جذبات و احساسات کا مطالعہ کرو، تم اس کے روز و شب کے اعمال اس کے حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کرو، تب تمہارے اندر اتباع سنت کا عزم پیدا ہوگا۔ اگر تم چاہو کہ صرف کتابوں سے حاصل کر لو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج کیمبرج اور آکسفورڈ والے تم سے بڑھے ہوتے۔ ان میں نہ معلوم کتنے محدث و مفسر اور فقیہ پیدا ہو چکے ہوتے۔

عزیزو! جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک نظام ہے، اسی طرح یہ بھی ایک نظام ہے جان لو۔ انسان، انسان سے بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صحابہ کرام آج دنیا میں سب سے افضل نہ ہوتے، یہ صحبت رسول ہی کی کیمیا اثری ہے، ورنہ متاخرین میں بھی بہت بڑے بڑے عباد و زہاد گذرے ہیں۔ فرعون نے موسی علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگروں سے کہا کہ ہم تمھارے ہاتھ پیر کاٹ دیں گے تو انھوں نے جواب دیا۔ فاقض ما انت قاض انما تقضي هذه الحياة الدنيا: یہ تھا رسول کی صحبت کا نتیجہ کہ ذرا دیر میں وہ ایمان و اعتماد پیدا ہوا جس کے سامنے ہر ابتلاء و مصیبت بے اثر ثابت ہوئی۔

اس بات کو یاد رکھو کہ تم اپنے کو ہمیشہ ناقص سمجھو گے اور انسان کی ہم نشینی کرو گے۔ خدا ہم کو تم کو اس علم سے نفع پہونچائے۔ جو بھائی جا رہے ہیں ہم ان کو افسوس و خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ خدا ہماری اور ان کی طاقتوں کو برقرار رکھے اور تعلقات کو استوار رکھے۔

بقیہ عورت کی امارت

یہ وہی تو پارلیمانی جمہوریت ہے جسے کل تک جماعت اسلامی مضحکہ خیز قرار دیتی تھی۔ آج اسے مقصد بنا کر ایک ناجائز ارتکاب کیونکر مباح ہو گیا ہے۔ اچھا ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ اس قانون میں استثناء کی بھی گنجائش ہے اور بعض حالات میں عورت کو سلطانہ بنانا بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہو جاتا ہے کہ مس فاطمہ جناح کو بھی صدر جمہوریہ بنانا جائز ہے؟ یہ اس کے لائق بھی ہیں یا نہیں یہ مسئلہ تو پھر کبھی زیر بحث آئے گا۔ محض دنیاوی نقطہ نظر سے بھی دیکھئے تو حال یہ ہے کہ انھیں نہ کوئی سیاسی تجربہ حاصل ہے نہ انتظامی۔ نہ کوئی امتیازی حیثیت رکھتی ہیں، پھر انھیں مستثنیٰ قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ رہا دینی نقطہ نظر سے اس کے اعتبار سے تو وہ بالکل ہی نااہل ہیں۔ باقی رہا اس طریقہ سے اقامت دین کی راہ کا ہموار ہونا تو محض صدر کی تبدیلی سے اس کی آس لگانا بالکل بعید از قیاس ہے۔ جب آپ ۸۰ ہزار ووٹروں کو تقریباً سترہ سال کی کوشش سے اس حد تک ہموار نہ کر سکے کہ وہ کسی دین دار مرد نمائندے کو صدر منتخب کریں تو کروڑوں ووٹروں کو کیسے اپنا ہمنوا بنائیں گے۔ تاہم اگر کوئی دیندار صدر آپ منتخب کرتے تو بھی اس کا کوئی بعید احتمال پیدا ہو سکتا تھا، موجودہ حالات میں تو یہ محض ایک وہم کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ پاکستان ایک شیعہ سلطنت میں تبدیل ہو جائے۔ جس کے منصوبے اور خاکے بنائے جا رہے ہیں اور پاکستان کے وجود میں آتے ہی جس کی مساعی شروع ہو گئی تھیں۔ شیعہ حضرات مس فاطمہ جناح کی کامیابی سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کئے ہوئے اور اس سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ سنیوں کا اسے نہ سمجھ لینا خود اپنی غفلت کی دلیل ہے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ نادر شاہ

ٹیکس وغیرہ جمع کرنے میں سیت وصول کرنے لگے تھے اس مقابلہ کی دوڑ میں جو نتائج ہوتا تھا وہ خود برد کرنے والے تحصیلداروں اور ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیتا تھا اور ان کو ساز و سامان سے محروم کرکے گھروں سے نکال دیا کرتا تھا، ان حرکتوں سے خود ہی اپنے آپ کو ان لوگوں نے برباد کر لیا تھا، اور اپنی خاص اسباب کی بنا پر ان کی آمدنی کے سارے ذرائع ختم ہو چکے تھے، اس طرح خانماں برباد لوگوں کی تعداد اور بڑھ گئی تھی، جو سڑکوں پر پڑا ہوا گھوما کرتے تھے اور کاشت کے قابل زمین کا رقبہ بھی بہت کم ہو گیا تھا۔

"تعمیر حیات" آپ کا اپنا پرچہ ہے
اس سے تعاون آپکا فرض ہے۔

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔

کوائف دار العلوم

مولانا عبد[illegible] شعبہ تعمیر وترقی

الحمد للہ کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنی عمر کا ایک سال اور پورا کرلیا، سال گذشتہ جو منصوبے چل رہے تھے ان میں کچھ تو تکمیل پاگئے اور کچھ نامکمل رہے، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کا فضل شامل حال رہے تو انشاء اللہ یہ نامکمل منصوبے بھی مکمل ہو ہی جائیں گے۔

مشرقی ومغربی برجی دارالعلوم کی مرکزی عمارت آج سے ۵۵-۵۶ سال قبل تیار ہوئی تھی لیکن نقشہ کے مطابق اس کی برجیاں نہیں بن سکی تھیں، دارالعلوم میں تعمیری کاموں کا جب آغاز ہوا تو پہلے مشرقی ومغربی کناروں کی برجیاں تعمیر کی گئیں مشرقی ومغربی زینوں کی برجیاں فروری ۶۴ء میں شروع کی گئیں بحمد اللہ کہ قبل تحریر سطور ہذا دونوں برجیوں کا کام مکمل ہوچکا ہے۔

مکانات جدید آم کے باغ میں جن چار مکانوں کی بنیاد ڈلوائی گئی تھی، ان میں سے صرف دو مکانوں کی تعمیر کا کام شروع کرایا گیا تھا، بحمد اللہ کہ یہ دونوں تیار ہوکر مکمل ہوگئے، یہ دونوں دو منزلہ ہیں ان میں سے ایک مکان میں دارالعلوم کے شیخ التفسیر استاذ مکرم مولانا محمد اویس صاحب ندوی دوسرے مکان میں دارالعلوم کے استاذ دینیات فاضل محترم مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی اقامت پذیر ہیں۔ باقی دو مکان جن کی بنیاد بھری جاچکی ہے ہنوز ان کی ابتدا بھی نہیں ہوسکی ہے

رواق سلیمانی رواق سلیمانی (چھوٹے طلبہ کی اقامت گاہ) کی تکمیل کی خوشخبری ان کالموں میں اس سے قبل دے چکا ہوں، نقشہ کے مطابق اس کے مشرقی ومغربی بازو قابل تعمیر ہیں۔ مارچ ۶۴ء میں اس کے مشرقی بازو کا کام شروع کرایا گیا تھا، اوپر نیچے کی منزل میں چار کمرے مکمل ہوچکے ہیں۔ بقیہ کمرے تشنۂ تکمیل ہیں۔

ہال رواق رحمانی رواق رحمانی کے ہال کے تکملہ کا کام شروع کیا گیا تھا، اندر وباہر کے حصوں میں پلاسٹر تو ہوگیا ہے لیکن ابھی تک چھت نہیں پڑسکی۔

مسجد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت وحسین مسجد اپنی وسعت وفراخی کے باوجود نمازیوں کے لئے کچھ تنگ ہوگئی ہے۔ بحمد اللہ کہ صفوف دالانوں سے نکل کر صحن تک پہونچتی ہیں لیکن گرمی اور بارش کے موسم میں نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے خیال تھا کہ اگر ایک دالان کا اضافہ ہوجاتا تو کم از کم تین صفیں بڑھ جاتیں اور اس طرح اس اذیت و تکلیف کا سدباب ہوجاتا جو طلبہ اور دوسرے نمازیوں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

وضوخانہ اندرون مسجد جو وضوخانے دونوں بازوؤں پر تھے، طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ناکافی ہوگئے تھے چنانچہ بیرون مسجد ایک وضوخانہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا تھا جس میں غسلخانے، بیت الخلا، استنجا خانے تینوں شامل تھے۔ غسل خانے، استنجا خانے وغیرہ تو پچھلے سال ماہ نومبر میں تبلیغی اجتماع سے قبل ہی مکمل ہوگئے تھے۔ وضوخانہ کا صرف فرش پختہ کراکر پائپ نصب کردیئے گئے تھے۔ چہار دیواری، سائبان اور دیگر متعلقات باقی رہ گئے تھے جس میں اب تک ہاتھ نہیں لگایا جاسکا جس کی وجہ سے باہر سے آنے والے ناواقف مہمانوں کو دقت ہوتی ہے اور نلوں کی حفاظت مستقل مسئلہ بن کر رہ گیا ہے، خدا کرے یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہونچے۔

مطبخ جدید دارالطعام مطبخ جدید کے تکملہ کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے۔ ڈائننگ ہال (دارالطعام) کی چھت کا کام باقی تھا جو اب تک باقی ہے۔ دارالطعام کی چھت کے لئے کانپور کے ایک صاحب خیر مرد مومن نے تین ٹن سریا مرحمت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر مرحمت فرمائے۔ لیکن ابھی مزید سریا کی ضرورت باقی ہے جو یا تو خریدی جائے گی یا پھر کوئی صاحب توفیق اپنے اجر وثواب اخروی کے لئے فراہم کرے گا الامر بید اللہ تعالیٰ۔

سفراء رمضان المبارک قریب ہیں۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دارالعلوم کی جانب سے سفراء روانہ ہورہے ہیں، ذیل میں ایک مختصر نقشہ فی الحال پیش ہے تاکہ ہر حلقہ کے ہمدرد حضرات مطلع رہیں۔

۱۔ مدراس وبنگلور: مدراس وبنگلور کے سفر کے لئے مولانا عبدالماجد صاحب ندوی "استاذ ادبیات" دارالعلوم ندوۃ العلماء، انشاء اللہ ۲۵ر دسمبر کو روانہ ہوں گے۔ سال گذشتہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے بروقت وہاں پہونچا نہ جاسکا تھا، احباب سے گذارش ہے کہ سال گذشتہ کا کفارہ بھی ادا فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

۲۔ کلکتہ سال گذشتہ فسادات کی وجہ سے کلکتہ کسی کو بھی نہیں بھیجا گیا، امسال مولانا محمد ظہور صاحب ندوی استاذ فقہ دارالعلوم انشاء اللہ جلد ہی روانہ ہونے والے ہیں۔

۳۔ دھنباد، جھریا وغیرہ مضافات کلکتہ مثلاً دھنباد، جھریا، آسنسول وغیرہ میں دارالعلوم کے لئے مالی تعاون کی وصولی کا کام مولوی محمد عباس صاحب ندوی استاذ مدرسہ محمدیہ جھریا ضلع دھنباد کریں گے۔ حیدرآباد: مولانا نورالحسن صاحب استاذ دارالعلوم۔ اجین واندور: ماسٹر محمد منظور صاحب (استاذ پرائمری سکشن) جلد ہی روانہ ہونے والے ہیں۔ سورت وگجرات: کے لئے مولانا محمد ہاشم صاحب مظاہری سفر پر روانہ ہوگئے، ناگپور، علی گڑھ، آگرہ، دہلی کے لئے منشی اظہر علی صاحب (سابق نگراں تعمیرات) اور کانپور کیلئے مولوی عبدالرشید صاحب روانہ ہونے والے ہیں

ضروری گذارش مالیگاؤں وبمبئی کے احباب سے التماس ہے کہ مولانا تقی الدین صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ان دنوں شدید علیل ہوگئے تھے اب وہ روبصحت ہیں۔ ان کی صحت کیلئے دعا فرمائیں۔

آخری گذارش: سال رواں کا کتاں دارالعلوم کے لئے بہت ہمت شکن رہا، کلکتہ، جمشیدپور، راؤرکیلا کے فسادات نے دارالعلوم کے میزانیہ کو خاصا متاثر کیا، گرانی مزید ہمت شکنی کا باعث بنی، ادھر چند ماہ سے دارالعلوم کا مطبخ مسلسل خسارہ برداشت کر رہا ہے۔ تعمیرات کا کام بھی چند ماہ سے تقریباً بند ہے، اس مد میں رقم نہ ہونے کی وجہ سے ضروری ادائیگیاں نہیں ہوسکی ہیں اساتذہ کرام اور اسٹاف کے دوسرے ملازمین کی تنخواہیں دو ماہ سے برآمد نہیں ہوسکی ہیں ہم تو دعا کر ہی رہے ہیں، ان سطور کے ذریعہ آپ کو بھی مطلع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقات خاص سے نوازے اور ہماری آپ کی محنتوں کو قبول و بار آور فرمائے۔ آمین۔